# جامع الاصول

# شرح

# مختصر الاصول

تالیف: حضرت صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ

شارح

مولانا عاطف سلیم نقشبندی

پروگریسو بکس

# جامع الاصول
بحواله
# شرح
# مختصر الاصول



تالیف: حضرت صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ

شارح
مولانا عاطف سلیم نقشبندی

| | |
|---|---|
| باراول ............ | مارچ 2017 |
| پرنٹرز ............ | آصف صدیق، پرنٹرز |
| سرورق ............ | النافع گرافکس |
| تعداد ............ | 600/- |
| ناشر ............ | چوہدری غلام رسول ۔ میاں جواد رسول<br>میاں شہزاد رسول |
| قیمت ............ | /= روپے |

ملنے کے پتے

ملت پبلی کیشنز
فیصل مسجد اسلام آباد Ph: 051-2254111
E-mail: millat_publication@yahoo.com

اسلام بک ڈپو
۱۲۔ گنج بخش روڈ لاہور فون 042-37112941
0323-8836776

شوروم ملت پبلی کیشنز دوکان نمبر 5- مکہ سنٹر نیو اردو بازار لاہور 0321-4146464
Ph: 042-37239201 Fax: 042-37239200

پروگریسو بکس
یوسف مارکیٹ ٥ غزنی سٹریٹ
اردو بازار ٥ لاہور
فون 042-37124354 فیکس 042-37352795

# فہرست

❖❖❖❖❖

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِیَّاکَ نَحۡمَدُ یَا مَنۡ هُوَ وَلِیُّ الۡحَمۡدِ وَالثَّنَاءِ

وَلَکَ نَشۡکُرُ یَامَنۡ هُوَ مُفِیۡضُ النِّعۡمَةِ وَالۡعَطَاءِ

وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی نَبِیِّکَ حَبِیۡبِکَ مُحَمَّدٍ صَاحِبِ اللِّوَاءِ یَوۡمَ الۡجَزَاءِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهِ الرُّحَمَاءِ عَلَی الضُّعَفَاءِ ۔

اَمَّا بَعۡدُ ...... فقیر راجی رحمۃ ارحم الراحمین محمد نعیم الدین بن مولانا مولوی محمد معین الدین صاحب مدظلہ مرادآبادی عرض کرتا ہے کہ بعض احبا کے اصرار اور عزیز طلبہ کے التماس سے مصطلحاتِ حدیث کو علیٰ سبیل الاختصار اُردو زبان میں لکھنے کا اتفاق ہوا۔ چونکہ سردست تطویل مطلوب نہ تھی' لہٰذا اُس سے اعراض کیا۔ اَسۡاَلُ اللّٰهَ التَّوۡفِیۡقَ وَاَنۡ یَّنۡفَعَنِیۡ بِهٖ فِی الۡحَیٰوةِ وَبَعۡدَ الۡمَمَاتِ وَهُوَ حَسۡبِیۡ وَنِعۡمَ الۡوَکِیۡلُ ۔

## اُصول حدیث

اُن اُصول کے علم کو کہتے ہیں کہ جن سے حدیث کے احوال معلوم ہوں کہ وہ مقبول ہے یا مردود اور مقبول و مردود کی معرفت اس کی غایت اور حدیث اس علم کا موضوع ہے۔[1]

[1] جیسا کہ علماء حدیث فرماتے ہیں کہ ایسے اصول وقواعد جن کے ذریعے راوی اور روایت کا حال معلوم ہو جائے۔ (النکت علی کتاب ابن الصلاح جلد ا صفحہ ۲۲۵)

امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں:

''علم اصول الحدیث سے سے مراد وہ قواعد و اصول ہیں جن کے ذریعے قبول و رد کے لحاظ سے متن کے احوال کا علم حاصل ہو جائے''۔ (تدریب الراوی' مقدمہ' صفحہ ۲۲)

اس علم کا موضوع قبول و رد کے لحاظ سے سند و متن ہیں۔ (تدریب الراوی' مقدمہ' صفحہ ۲۲)

## حدیث

قول[1] اور فعل[2] اور تقریر رسول اللہ ﷺ[3] کو کہتے ہیں اور بعضے تقریر صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم کو بھی کہتے ہیں۔[4]

## تقریر

وہ ہے کہ کسی نے رسولِ اکرم ﷺ کے سامنے کوئی کام کیا یا کوئی بات کہی اور آپ ﷺ نے باوجود مطلع اور خبردار ہونے کے انکار نہ کیا اور سکوت اختیار فرمایا اور اُس کو مقرر رکھا۔[5]

---

[1] حدیث قولی وہ ہے جس میں رفع صریح ہو جیسے صحابہ کرام یا غیر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا فرمانا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

یا صحابی فرمائیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا۔ (مقدمہ اشعۃ اللمعات صفحہ ۹)

[2] مرفوع فعلی میں صحابی یوں فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو یوں کرتے دیکھا یا کسی نے مجھے بتایا کہ آپ ﷺ نے اس طرح کیا' یا کیا کرتے تھے۔ (علوم الحدیث صفحہ ۲۶۳)

[3] مرفوع تقریری سے مراد یہ ہے کہ صحابی فرمائیں کہ میں نے آپ ﷺ کی موجودگی میں یوں کیا' یا کسی نے کہا کہ فلاں شخص نے آپ ﷺ کے سامنے اس طرح کیا اور آپ ﷺ نے اس پر نکیر (انکار) نہ فرمایا۔ (شرح نخبۃ الفکر لابن حجر' صفحہ ۲۶)

[4] جیسا کہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

تقریر سے مراد ہے کہ بارگاہِ نبوی ﷺ کے روبرو کوئی بات کہی گئی یا فعل کیا گیا اور آپ ﷺ نے اس پر ممانعت نہ فرمائی بلکہ اس پر سکوت اختیار فرمایا' اس کو ثابت اور برقرار رکھا اسی طرح صحابی اور تابعی کے روایت کردہ قول' فعل اور تقریر پر حدیث کا اطلاق کیا جاتا ہے''۔

(مقدمہ اشعۃ اللمعات' صفحہ ۷)

[5] کیونکہ نبی کریم ﷺ کا کسی قول و فعل کو مقرر رکھنا اس قول و فعل کے جواز کی دلیل ہے ←

## مرفوع

وہ حدیث ہے جو حضرت رسول اکرم ﷺ تک پہنچے مثلاً کہا جائے کہ آں حضرت ﷺ نے کہا یا کیا یا تقریر فرمائی یا فلاں سے مرفوعاً مروی ہے یا اس حدیث کو فلاں شخص نے مرفوع کیا۔[1]

---

اس لیے کہ حضور ﷺ کھول کھول کر بیان کرنے والے' درست کی تائید کرنے والے اور بھلائیوں اور بُرائیوں کی وجوہ کی پہچان کرانے والے بنا کر مبعوث کیے گئے ہیں' لہٰذا ان پر یہ جائز نہیں کہ وہ اس بات کو مقرر رکھیں جو شریعت میں ناجائز ہو۔

(کتاب الجدل لابن عقیل حنبلی' صفحہ ۵)

[1] اصطلاح میں مرفوع اس قول وفعل اور تصویب وتائید کو کہتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی جانب منسوب ہو' خواہ اس کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کسی صحابی نے کی ہو' تابعی نے یا کسی اور نے اور خواہ اس کی سند متصل ہو' منقطع ہو۔ (الخلاصۃ فی اصول الحدیث للطیبی' صفحہ ۴۴)

مرفوع دو اقسام پر مشتمل ہے:

(۱) مرفوع حقیقی (۲) مرفوع حکمی

مرفوع حقیقی: وہ حدیث ہے جو صراحت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی طرف منصوب ہو اس کی مزید چار اقسام ہیں:

(۱) مرفوع قولی (۲) مرفوع فعلی (۳) مرفوع تقریری (۴) مرفوع وصفی

مرفوع قولی: وہ حدیث جس میں رسول اللہ ﷺ کا کوئی ارشاد منقول ہے'

خواہ لفظ قال کے ذریعے ہو'

یا لفظ امر کے ذریعے ہو'

یا لفظ نھی کے ساتھ ہو'

یا پھر لفظ قفی کے ساتھ ہو۔ (ملخصاً' الخلاصۃ فی علم اصول الحدیث' ص ۵۰)

مرفوع فعلی: وہ حدیث جس میں رسول اللہ ﷺ کے کسی عمل کا بیان ہو' ←

**موقوف**

وہ حدیث ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم تک پہنچے مثلاً کہا جائے کہ کہا ابن عباس نے' یا کیا اُس نے' یا تقریر کی اُس نے' یا اُن سے موقوفاً مروی ہے' یا روایت اُن پر موقوف ہے۔[1]

---

چاہے لفظ فَعَل کے ساتھ ہو'

یا پھر لفظ توضا کے ذریعے'

خواہ لفظ صلی کے ذریعے ہو'

یا لفظ صاہ کے ذریعے ہو۔ (ملخصاً' الخلاصۃ فی علم اصول الحدیث' ص ۵۰)

**مرفوع تقریری:** وہ حدیث جس میں رسول اللہ ﷺ کی حیات یا ان کی موجودگی میں کسی کام کیے جانے کا ذکر ہوا اور باوجود مطلق ہونے کے آپ نے اس پر تکفیر نہ فرمائی ہو' جیسا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا دورِ نبوی ﷺ میں عزل فرمانا اور آپ ﷺ کا منع نہ فرمانا۔

**مرفوع وصفی:** وہ حدیث جس میں رسول اللہ ﷺ کے حسن و اخلاق کا تذکرہ ہو' جیسے سیّدنا انس رضی اللہ عنہ کا فرمانا:

''رسول اللہ ﷺ تمام لوگوں سے بڑھ کر خوش اخلاق تھے''۔ (صحیح بخاری' کتاب الادب' رقم ۶۲۰۳)

**مرفوع حکمی:** وہ حدیث جو بظاہر رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب نہ ہو لیکن جو مضمون بیان ہو رہا ہو اس میں اجتہاد وغیرہ کی گنجائش نہ ہو' اس لیے وہ حکماً رسول اللہ ﷺ ہی کی طرف منسوب ہوتا ہے جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کے حالات و واقعات' پیش آنے والے فتنوں کی خبریں' یا احوالِ قیامت سے باخبر کرنا' یا کسی مخصوص کام پر ثواب و عقاب کے قریب ہونے سے آگاہ فرمانا' ان تمام صورتوں میں یہ بات یقینی ہو کہ نبی کریم ﷺ سے سن کر یہ بیان فرمائی ہے۔ (مقدمہ' اشعۃ اللمعات' صفحہ ۱۱)

[1] اصطلاح میں وہ حدیث جو کسی صحابی کی طرف منسوب ہو خواہ قول' فعل' یا تقریر ہو' اس کی سند متصل ہو یا منقطع۔ (ارشاد طلاب الحقائق' جلد ۱ صفحہ ۱۵۹) (تدریب الراوی للسیوطی صفحہ ۱۵۰) ←

## مقطوع

وہ ہے جو تابعین[1] تک پہنچے۔[2]

## اَثَر

موقوف اور مقطوع کو کہتے ہیں اور بعضے حدیث مرفوع کو بھی کہتے ہیں جیسا کہ ادعیۂ ماثورہ اور دُعائے ماثورہ کہا جاتا ہے۔[3]

---

حدیث موقوف بھی تین اقسام پر مشتمل ہے:

(۱)موقوف قولی (۲)موقوف فعلی (۳)موقوف تقریری

موقوف قولی: وہ حدیث جس میں کسی صحابی کا کوئی قول منقول ہو۔

موقوف فعلی: وہ حدیث جس میں کسی صحابی کا فعل منقول ہو۔

موقوف تقریری: وہ حدیث ہے جس میں کسی صحابی کی تائید سکوتی منقول ہو جیسے کسی تابعی کا کہنا کہ میں نے فلاں صحابی کے سامنے یا ان کے زمانہ میں ایسا کام کیا اور انہوں (صحابہ) نے کوئی ممانعت نہ فرمائی۔ (ملخصاً 'الخلاصۃ فی علم اصول الحدیث للطیبی صفحہ ۵۰)

۱؎ تابعین سے مراد وہ افراد ہیں جس نے صحابی سے ملاقات کی' امام حاکم نے ان کو بلحاظِ مدارج و مراتب صحابہ ۱۵' اقسام میں منقسم فرمایا۔ (تقریب النواوی مع التدریب الراوی' جلد ۲ صفحہ ۲۳۵)

۲؎ تابعی کے قول' فعل یا تقریر کو مقطوع کہتے ہیں' یہ منقطع کے علاوہ ہوتی ہے' امام شافعی اور امام طبرانی منقطع اور غیر متصل سند پر بھی مقطوع کا اطلاق کرتے ہیں۔ (اختصار علوم الحدیث' صفحہ ۳۳۔۳۴)

۳؎ شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''بعض محدثین کرام نے فرمایا کہ لفظ حدیث کا اطلاق مرفوع اور موقوف کے ساتھ مخصوص ہے اور مقطوع پر حدیث کے بجائے لفظ اثر بولا جاتا ہے اور کبھی حدیث مرفوع پر بھی اثر کا اطلاق کیا جاتا ہے جیسے وہ ادعیہ جو نبی کریم ﷺ سے منقول ہیں' انہیں ''ادعیۃ الماثورہ'' کہا جاتا ہے' امام طحاوی رحمہ اللہ علیہ نے احادیث نبویہ اور آثارِ صحابہ پر مشتمل اپنی کتاب کا نام شرح معانی الآثار رکھا ہے' اسی طرح امام سخاوی فرماتے ہیں کہ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب بنام تہذیب الآثار ہے ←

**خبر**

خبر اور حدیث ایک ہی ہیں۔ بعضوں کے نزدیک حدیث حضرت رسالت پناہ ﷺ اور صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم کے ساتھ مخصوص ہے اور خبر بادشاہوں کے قصوں اور ایامِ ماضیہ کے حالات میں استعمال کرتے ہیں۔[1]

**رفع**

رفع کی دو حالتیں ہیں: کبھی صریح ہوتا ہے اور کبھی حکم صریح میں صریح جیسے کیا[2] یا کہا[3] یا تقریر کی[4] رسول اللہ ﷺ نے یا آں حضرت ﷺ سے مرفوعاً مروی ہے

---

جبکہ وہ احادیث مرفوعہ کیلئے مخصوص ہے' اس میں موقوف احادیث بھی تبعاً لائی گئی ہیں"۔

(اشعۃ اللمعات' مقدمہ' صفحہ ۸)

ا۔ لقول محقق علی الاطلاق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"قول مشہور کے مطابق خبر اور حدیث مترادف ہیں' بعض نے ان کے درمیان فرق کیا ہے کہ جو رسول کریم ﷺ' صحابہ کرام اور تابعین سے مروی ہو اس کو حدیث کہیں گے اور ملوک' سلاطین اور زمانہ ماضی کی حکایات کو خبر کہتے ہیں' اسی لیے سنت کے ساتھ مشغلہ رکھنے والے کو محدث اور تاریخ کے ساتھ مشغلہ رکھنے والے کو اخباری کہتے ہیں"۔

(اشعۃ اللمعات' مقدمہ' صفحہ ۹)

یاد رہے کہ حدیث وخبر کے مابین عموم وخصوص کی نسبت منطقی ہوا کرتی ہے' نتیجہ یہ کہ ہر حدیث خبر ہوتی ہے مگر ہر خبر حدیث نہیں ہوتی۔ (تدریب الراوی صفحہ ۴۰)

۲۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ "نبی کریم ﷺ نے جرابوں اور جوتوں پر مسح کیا"۔

(سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۱۵۹)

۳۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے"۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۱)

۴۔ جیسا کہ حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ارشادِ مبارکہ ہے کہ "ہم رسول اللہ ﷺ کے ←

یا فلاں صحابی نے روایت کو مرفوع کیا۔ اور جو رفع حکم صریح میں ہو' وہ ہے کہ صحابہ یا تابعین سے کوئی بات یا کوئی ایسا کام نقل کریں جو اجتہاد اور عقل اور فکر اور قیاس سے نہ کیا جا سکے اور بجز سماع اور نقل کے نہ ہو سکے مثلاً احوالِ آخرت یا زمانۂ ماضی اور آئندہ کی خبر دیں اور اگر یہ کہیں کہ ہم رسول اکرم ﷺ کے زمانہ میں ایسا کرتے تھے یا ایسا سنت ہے' یہ بھی حکم مرفوع میں ہے۔[1]

## سند و اسناد

رجالِ حدیث کو کہتے ہیں کہ جنہوں نے روایت کی ہے اور کبھی اسناد رجال کے بیان کرنے اور ظاہر کرنے کو بھی کہتے ہیں۔[2]

---

زمانہ میں کھڑے کھڑے کھا پی لیا کرتے تھے"۔ (سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۱۸۸۰)

[1] اشعۃ اللمعات' مقدمہ' صفحہ ۱۰۔۱۱

[2] حدیث کے متن تک پہنچنے کا ذریعہ سند کہلاتا ہے۔ (نزہۃ النظر' صفحہ ۱۰۶)

امام ابن جماعۃ کے بقول سند اور اسناد ایک ہی شئی کے دو نام ہیں۔

(المنہل الروی فی علوم الحدیث النبوی' صفحہ ۸۱)

امام سفیان ثوری فرماتے ہیں:

"سند مؤمن کا ہتھیار ہے جب کسی کے پاس اسلحہ نہ ہو' بھلا وہ کیسے جنگ جیت سکتا ہے"۔

(فتح المغیث للسخاوی' جلد ۳ صفحہ ۵)

امام عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں:

"اسنادِ حدیث ہی دین ہے' اگر سند نہ ہوتو پھر ہر کوئی جو چاہتا وہی کہہ دیتا"۔

(صحیح مسلم' مقدمہ' جلد ۱ صفحہ ۱۵)

امام شاطبی فرماتے ہیں:

"اسناد دین میں سے ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ حدثنی فلان عن فلان پر اکتفاء کیا جائے بلکہ اس سے محدثین کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی مجہول' مجروح' متہم اور غیر ثقہ راوی سے ←

## متن حدیث

اسناد کے سوا جو کلام ہوتا ہے وہ متن حدیث کہلاتا ہے۔[1]

## متصل

اگر رُواۃِ حدیث میں سے کوئی راوی درمیان سے نہ چھوٹے تو اُس حدیث کو متصل اور عدمِ سقوطِ راوی کو اتصال کہتے ہیں۔[2]

---

روایت نہ لی جائے کیونکہ اس مسئلے کی جان یہی ہے کہ ایسی با اعتماد سند ذکر کی جائے جس سے یہ غالب گمان ہو کہ واقعی یہ بات رسول اللہ ﷺ ہی نے فرمائی ہے تاکہ ہم شرعی احکام کے سلسلہ میں اس پر اعتماد کرسکیں''۔ (الاعتصام للشاطبی' جلد ا صفحہ ۲۲۵)

ا۔ حدیث کا متن وہ الفاظ ہیں جن سے معانی قائم ہوتے ہیں۔(الخلاصۃ فی علم اصول الحدیث' صفحہ ۳۰)

امام ابن جماعہ رحمۃ اللہ علیہ کے بقول اصطلاحِ محدثین کے مطابق متن کی تعریف یہ ہے:

''متن وہ ہے جس پر کلام کی سند ختم ہو''۔ (التدریب الراوی' جلد صفحہ ۲۳)

بقول محدثین متن وسند لازم وملزوم ہیں' اس لیے ان کی تعریف کرتے وقت ایک دوسرے کا ذکر ناگزیر ہے' سند ومتن کی جو تعریف کی گئی ہے اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ سند نام ہے طریق متن کی حکایت کا اور متن وہ مقصود ہے جہاں پر سند ختم ہوتی ہے۔

(نزہۃ النظر' صفحہ ۳۸) (التدریب الراوی' جلد ا صفحہ ۲۳)

۲۔ متصل یا موصول اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند متصل ہو' خواہ وہ حدیث مرفوع ہو جو نبی کریم ﷺ تک پہنچتی ہو یا صحابی کی موقوف روایت ہو یا تابعی کی مقطوع روایت ہے۔

(اختصار علوم الحدیث' صفحہ ۴۸)

خطیب بغدادی متصل اور مسند کو مترادف قرار دیتے ہیں اور دونوں میں کوئی فرق وامتیاز روا نہیں رکھتے' ان کے نزدیک فرق صرف غلبہ استعمال کے اعتبار سے ہے۔

(توضیح الافکار لمعانی تنقیح الانظار' جلد ا صفحہ ۲۵۵)

یادرہے یہ روایت (متصل) ارسال وانقطاع کی نفی کرتی ہے۔(اختصار علوم الحدیث' صفحہ ۴۸)

## مُنْقَطِعْ

اگر ایک یا زیادہ راوی چھوٹ جائیں تو منقطع ہے اور چھوٹ جانا اِنقطاع بہ شرطے کہ دو راوی ایک جگہ سے پیہم نہ چھوٹے ہوں بلکہ دو یا تین جگہ سے۔[1]

## مُعلّق

وہ ہے کہ ابتدائے سند میں ایک یا زیادہ راوی چھوٹ گئے ہوں اور اس چھوٹنے کو تعلیق[2] کہتے ہیں، کبھی تمام سند چھوڑ کر ''قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ'' کہہ دیتے ہیں جیسی کہ مصنفین کی عادت ہے۔[3]

---

[1] منقطع وہ ہے جس کی سند متصل نہ ہو خواہ انقطاع کی کوئی صورت بھی ہو۔

(الارشاد انطلاب الحقائق، صفحہ ۸۴)

امام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

''اگر سقوط دو غیر متوالی جگہوں پر ہو تو وہ منقطع ہوگی اسی طرح اگر ایک راوی ساقط ہو یا دو یا دو سے زیادہ ساقط ہوں، بشرطیکہ غیر متوالی ہوں تو وہ بھی منقطع شمار ہوگی''۔ (نزہۃ النظر، صفحہ ۸۰۔۸۱)

لیکن علمائے متاخرین کے ہاں منقطع کی تعریف کچھ یوں ہے کہ وہ حدیث جس کے راویوں میں ایک راوی صحابی سے نیچے ایک یا متعدد مواضع سے ساقط ہو لیکن کسی جگہ پر بھی سقوط ایک سے زیادہ نہ ہو اور سقوط ابتدائے سند نہ ہو۔ (منہج النقد، صفحہ ۳۶۸)

[2] چناں چہ صحیح بخاری میں بہت سی تعلیقات ہیں اور وہ سب صحیح اور حکم اتصال کا رکھتی ہیں۔

[3] امام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

''جب مصنف کے تصرف سے سند کے اول سے راوی ساقط کر دیا جائے تو وہ حدیث معلق ہے، حدیث معلق کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ پوری سند کو ساقط کر دیا جائے، مثلاً کہا جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، صحابی کے سوا تمام سند کو حذف کر دیا جائے، مثلاً: ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تابعی اور صحابی کے سوا تمام سند کو محذوف کر دیا جائے''۔

(نزہۃ النظر، صفحہ ۵۰۔۵۱) ←

## مُرْسَلْ

وہ ہے جس میں آخر سند سے بعد تابعین کے سقوط ہو گیا ہو' مثلاً تابعی کہے:

''قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم''۔

بعضے محدثین کے نزدیک مرسل اور منقطع کے ایک معنی ہیں۔ مرسل کا حکم توقف ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک اس لیے کہ نہ معلوم کہ ساقط ثقہ ہے یا نہیں' اس لیے کہ روایتیں تابعی کی تابعین سے بہت ہیں اور تابعین میں ثقہ اور غیر ثقہ سب ہوتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور مالک رحمہ اللہ کے نزدیک حدیث مرسل مطلقاً مقبول ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ارسال کمال وثوق اور اعتماد کی وجہ سے ہے' اس لیے کہ کلام ثقہ میں ہے' اگر تابعی کے نزدیک ساقط ثقہ نہ ہوتا تو وہ ارسال کر کے ''قَـالَ رَسُـوْلُ اللّٰـہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' نہ کہتا۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اگر حدیث دوسری وجہ سے قوت پائے' مقبول ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کے دو قول ہیں: ایک میں

---

یاد رہے معلق کو مردود کی اقسام میں ذکر کیا جاتا ہے' اس لیے کہ جو راوی محذوف ہے اس کا حال معلوم نہیں ہے اور اگر اس راوی کا کسی اور سند میں مذکور ہونا معلوم ہو جائے تو بشرطِ ثقاہت راویٔ حدیث پر حکمِ صحت لگایا جاتا ہے اور اگر مصنف یہ کہے کہ میں نے جن رجال و رواۃ کو حذف کیا ہے' وہ تمام ثقہ ہیں تو یہ تعدیل علی الابہام ہے اور جمہور کے نزدیک یہ حدیث اس وقت تک قابلِ قبول نہیں جب تک کہ اس راوی کا ذکر نہ کیا جائے لیکن حافظ ابن الصلاح فرماتے ہیں کہ اگر وہ کسی ایسی کتاب کی حدیث کی سند محذوف ہو جس کے مصنف نے صحت کا التزام کیا ہو جیسے امام بخاری (صحیح بخاری میں) اور امام مسلم (صحیح مسلم میں) تو اس حدیث کو مصنف جب جزم کے ساتھ ذکر کرے گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث کی سند اس کے نزدیک ثابت ہے اور اس نے کسی غرض کی وجہ سے سند کو حذف کیا ہے اور جس حدیث کو بغیر جزم ذکر کیا ہے تو اس میں بحث کی گنجائش ہے۔ (نزہۃ النظر' صفحہ ۵۰۔۵۱)

مقبول' ایک میں توقف۔ [1]

[1] مرسل سے مراد جس حدیث کی سند کے آخر میں تابعی کے بعد راوی محذوف ہو' اس کی صورت یہ ہے کہ تابعی کہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا' یا یہ کام کیا یا آپ کے سامنے یہ کام کیا گیا۔ (نزہۃ النظر' صفحہ ۵۱)

امام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

''اگر کسی تابعی کی یہ عادت معروف ہو کہ وہ صرف ثقہ راوی ہی کو چھوڑتا ہو تو محدثین کرام پھر بھی توقف کرتے ہیں' امام احمد کا بھی ایک قول یہی ہے' فقہاء مالکیہ' فقہاء احناف اور امام احمد کا دوسرا قول یہ ہے کہ حدیث مرسل مطلقاً مقبول ہوتی ہے اور امام شافعی کا قول ہے کہ اگر کسی سند سے اس (مرسل) کی تائید ہو جائے تو وہ مقبول ہے ورنہ نہیں' خواہ وہ سند متصل ہو یا مرسل اور امام ابوبکر رازی حنفی اور امام ابوالولید باجی مالکی فرماتے ہیں کہ اگر راوی ثقہ و غیر ثقہ دونوں کو چھوڑتا ہو تو اس کی حدیث بالاتفاق قابل قبول نہیں''۔ (نزہۃ النظر' صفحہ ۵۲)

قاضی محمد اکرم سندھی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

شرح نخبۃ الفکر میں علامہ عسقلانی کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مالک فقہاء احناف اور امام احمد کے ایک قول کے مطابق حدیث مرسل مقبول ہے اور یہ تابعی کی مرسل سے اور فی الواقع احناف کے نزدیک ایسا نہیں ہے کیونکہ توضیح میں مذکور ہے کہ مراسیل صحابہ بالاتفاق حجت ہے اور سماع پر محمول ہے اور قرن ثانی اور قرن ثالث کی احادیث کو امام شافعی قبول نہیں کرتے' الا یہ کہ دوسری سند سے اس کا اتصال ثابت ہو جائے جسے سعد بن مسیّب کی مراسیل میں امام شافعی نے فرمایا کہ میں نے ان مراسیل کی ایسی مکمل اسانید دیکھی ہیں جن میں راوی کی صفات مجہول تھیں اور اس سبب سے ان کی روایت صحیح ہے اور ہمارے اور امام مالک کے نزدیک حدیث مرسل مقبول ہے اور وہ سند پر مقدم ہے کیونکہ راوی نے صحابہ کو چھوڑا ہے اور معروف یہ ہے کہ جب محدث کے نزدیک معاملہ واضح ہوتا ہے تو وہ سند کو حذف کر دیتا ہے اور جب اس کے نزدیک معاملہ مبہم ہوتا ہے تو وہ اس کو دوسروں کے اوپر چھوڑ دیتا ہے اور راوی کے مجہول ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ جب مرسل ثقہ ہے تو وہ اس سے سکوت ←

## مُعْضَلْ

وہ ہے کہ جس میں اثنائے اسناد میں دو راوی پیہم ساقط ہو گئے ہوں۔ [1]

## مُدَلَّسْ

یہ منقطع کی ایک قسم ہے۔ اس کے فعل کو تدلیس اور اس کے فاعل کو مُدَلِّس کہتے ہیں اور تدلیس یہ ہے کہ راوی اپنے شیخ کا نام نہ لے ور اُس سے اوپر کے شیخ سے روایت کرے اور لفظ ایسے لائے جن سے سماع کا وہم ہوتا ہو۔ مثلاً کہے: ''عَنْ فُلَانٍ ''اور''قَالَ فُلَانٌ ''اور تدلیس مذموم ہے' مگر جب کہ ثابت ہو جائے کہ وہ

---

کرنے والے کی غفلت سے مہتم میں ہوگا' کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر محدث یہ کہے کہ مجھے ثقہ نے حدیث بیان کی ہے تو اس کی حدیث جہل کے باوجود مقبول ہوتی ہے تو اگر محدث کسی راوی کو ترک کر دے تو اس کی حدیث کیوں قبول نہیں ہوگی۔ (امعان النظر' صفحہ ۱۰۲۔۱۰۳)

اقول: حدیث مرسل بظاہر سند کے متصل نہ ہونے کی وجہ سے حدیث ضعیف کی اقسام میں شمار ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود عملی حیثیت کے اعتبار سے ضعیف حدیث کی دیگر ناواع سے جدا ہے' لہٰذا مرسل کو ضعیف کہہ کر ردّ کر دینا صحیح نہ ہوگا جب تک صورتِ حال سے آگاہی نہ ہو جائے کیونکہ بسا اوقات ناقل اختصار کے پیشِ نظر یا دیگر وجوہات کی وجہ سے سند حذف کر دیتا ہے۔ (اللہ ورسولہ اعلم!)

[1] جس حدیث کی سند میں دو یا دو سے زیادہ راوی متواتر ساقط ہوں جیسا کہ تبع تابعی یہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس طرح فرمایا' یا اس سے بھی نچلے درجے کا تابعی یہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' یا حضرت ابوبکر صدیق یا حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔

(علوم الحدیث لابن الصلاح' صفحہ ۵۴)

یاد رہے کہ معضل حدیث ضعیف ہوتی ہے اور اس کی حالت مرسل اور منقطع سے بدتر ہوتی ہے کیونکہ اسناد میں کئی راویوں کو حذف کیا جاتا ہے جن کے ثقہ ہونے کا کوئی علم حاصل نہیں ہوتا' اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں' سب علماء اس پر متفق ہیں۔

تدلیس ثقہ سے کرتا ہے اور اس میں اس کو کوئی غرض فاسد نہیں ہے مثل اخفائے سماع کے اپنے شیخ سے بہ وجہ صغرسنی اور عدم جاہ وشہرت اور حال کے چھپانے کے کہ جو سبب طعن کا ہو اور اکابر حدیث بھی بہ وجہ وثوق صحت حدیث کے تدلیس کرتے تھے' نہ بہ وجہ اغراضِ فاسدہ کے۔[1]

---

[1] سند میں کسی عیب کو چھپانا اور اس کے ظاہر کی تحسین کرنا تدلیس کہلاتا ہے' تدلیس کی دو قسمیں ہیں: پہلی قسم تدلیس الاسناد ہے' اس کی تعریف یہ ہے کہ راوی اپنے معاصر سے ایسی حدیث کو روایت کرے جس کو اس سے سنا نہ ہو اور اس سے سماع کا وہم ڈالے اور یہ کہے کہ فلاں نے کہا یا فلاں سے روایت ہے اور بعض اوقات وہ تحسین حدیث کیلئے اپنے شیخ کو ساقط نہیں کرتا بلکہ شیخ الشیخ یا اس سے اوپر کے شیخ کو ساقط کر دیتا ہے کیونکہ وہ شیخ الشیخ ضعیف یا کم عمر ہوتا ہے اور تدلیس کی دوسری قسم تدلیس الشیوخ ہے اور اس کی تعریف یہ ہے کہ وہ اپنے شیخ کا ایسا نام یا وصف یا کنیت یا نسبت بیان کرے جو غیر معروف ہے' تدلیس کی پہلی قسم بہت زیادہ مکروہ ہے اور دوسری اس سے کم درجہ کی مکروہ ہے۔ (تقریب النواوی مع التدریب' جلد ا صفحہ ۲۳۱۔۲۳۲)

یاد رہے کہ مدلس جب عن کہے حجت نہیں ہوتا' امام بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اور اس پر اتفاق ہے کہ مدلس جب عن کہے تو حجت نہیں' الا یہ کہ دوسری سند سے یہ ثابت ہو جائے کہ وہ حدیث اس شخص نے اپنے شیخ سے سنی ہے"۔

(شرح سنن ابی داوٗد للعینی' جلد ا صفحہ ۲۰۵)

مذکورہ بالا قانون ایک عمومی قانون ہے جس میں چند قرائن وشواہد و اقوالِ محدثین سے تصریح مدلسین کی عن والی روایات کو سماع پر محمول ماننے اور صحت حدیث کے منافی نہیں' اس عمومی قاعدے میں علامہ ابن حجر عسقلانی نے خود کئی مدلسین کے عنعنہ کو صحت حدیث کے منافی نہیں مانا ہے۔ امام ابن حجر کے بقول مدلسین ۴ طبقات میں منقسم ہیں' پہلے دو طبقات کے مدلسین کا عنعنہ صحت حدیث کے منافی نہیں جبکہ طبقہ ثالثہ و رابعہ کے مدلسین کا عنعنہ صحت حدیث کے منافی ہے۔ (النکت لابن حجر' جلد ۲ صفحہ ۶۳۶) ←

## مُضْطَرِب

وہ حدیث ہے جس کی اسناد یا متن میں راویٔ حدیث سے کوئی اختلاف واقع ہو جائے، تقدیم یا تاخیر یا زیادتی یا کمی یا ایک راوی کو دوسرے راوی کی جگہ بدلنا یا ایک متن کو دوسرے کی جگہ یا اسی کی مثل اور کوئی اختلاف ہو۔[1]

---

نیز یہ کہ بعض محدثین کرام نے صحیحین میں موجود تمام مدلسین کی تمام روایات کو سماع یا معتبر متابعات وشواہدات پر محمول مانا ہے۔(مقدمہ ابن الصلاح صفحہ ۷۵)

بعض مدلسین کی بعض شیوخ سے عن والی روایات بوجہ طویل صحبت و کثرتِ روایت سماع پر محمول مانی جاتی ہیں جیسا کہ اعمش مشہور مدلس ہیں لیکن امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''الا فی شیوخ لہ اکثر عنھم کابراھیم وابن ابی وائل ابی صالح السمان فانہ روایتہ عن ھذا الصنف محمولۃ علی الاتصال''۔

(میزان الاعتدال للذہبی جلد ۳ صفحہ ۳۱۶)

سوائے ان اساتذہ کے جن سے انہوں (اعمش) نے کثرت سے روایت بیان کی ہے جیسے ابراہیم، ابووائل اور ابوصالح السمان تو اس قسم والوں سے ان کی روایت اتصال پر محمول ہیں۔

[1] حدیث مضطرب سے مراد اگر ایک راوی کی جگہ دوسرا راوی بدل دینے سے مخالفت ثقات ہوئی اور ان دونوں روایات میں سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دی جا سکے۔

(نزہۃ النظر، صفحہ ۹۲)

متاخرین علماء کے مطابق: مضطرب وہ حدیث ہے جس میں روایات مختلف ہوں اور اس میں قبولیت کی شرائط اس طرح مساوی ہوں کہ ان میں مکمل تعارض ہو اور کسی طرح تطبیق، نسخ یا ترجیح کی صورت موجود نہ ہو۔(المنہج الحدیث فی علوم الحدیث، صفحہ ۲۲۶)

مضطرب حدیث بھی تین اقسام میں منقسم ہے:

(۱) مضطرب السند (۲) مضطرب المتن (۳) مضطرب السند والمتن

(مقدمہ ابن الصلاح، صفحہ ۹۴) (المنہل الروی صفحہ ۵۳) (الباعث الحثیث، صفحہ ۶۰) ←

## مُدْرَج

وہ حدیث ہے جس میں راوی کسی غرض یا مصلحت سے اپنا کلام درمیان حدیث کے لے آئے۔[1]

---

مضطرب حدیث کو بھی ضعیف حدیث میں شمار کیا گیا ہے۔

حافظ ابن الصلاح فرماتے ہیں:

''اضطراب حدیث کے ضعف کا موجب ہے کیونکہ یہ اس بات کی علامت ہے کہ راوی ضابط نہیں''۔(مقدمہ ابن الصلاح' صفحہ۹۴)

حافظ ابن حجر نے دارقطنی کی ''العلل'' سے اخذ کر کے مضطرب پر ایک کتاب مرتب فرمائی ہے جس کا نام ہے:

''المقرب من بیان المضطرب''۔(تدریب الراوی' جلد ا صفحہ ۲۲۵)

[1] مدرج' ادراج کا اسم مفعول ہے' کسی چیز کو کسی چیز میں داخل کرنا یا کسی چیز کو کتنی چیز کے ضمن میں کرنا یہ ادراج ہے' مدرج کی مزید دو اقسام ہیں۔

امام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

''جس حدیث کی سند میں تغییر کی وجہ سے ثقات کی مخالفت ہو' وہ مدرج الاسناد ہے''۔

مدرج الاسناد کی حسبِ ذیل اقسام ہیں:

(۱) ایک جماعت ایک حدیث کو مختلف سندوں کے ساتھ بیان کرے اور کوئی راوی ان تمام مختلف اسناد کو ایک سند بنا کر حدیث روایت کرے اور ان کا اختلاف نہ بیان کرے۔

(۲) ایک راوی ایک متن کو ایک سند کے ساتھ روایت کرتا ہو اور اس متن کے بعض حصہ کو دوسری سند سے روایت کرتا ہو اور یہ مخالفت کر کے پورے متن کو پہلی سند کے ساتھ بیان کر دے' یا ایک راوی نے ایک حدیث کو ایک شیخ سے سنا ہے اور اس کے بعض حصے کو اس شیخ کے شیخ سے کسی واسطہ سے سنتا ہے اور یہ شخص اس پوری روایت کو شیخ الشیخ سے روایت کرے اور اس واسطے کو حذف کر دے۔

←

## روایت بالمعنٰی

وہ ہے کہ راوی اپنے الفاظ سے حدیث کے معنی بیان کرے اور یہ جب جائز

(۳) ایک راوی دو مختلف احادیث کو دو متفرق اسناد کے ساتھ بیان کرے اور یہ مخالف ان دونوں احادیث کو ملا کر کسی ایک سند کے ساتھ روایت کرے یا ایک حدیث کو اس سند کے ساتھ بیان کرے لیکن اس میں دوسری حدیث کے الفاظ شامل کر دے جو اس میں نہیں ہیں۔

(۴) شیخ کوئی سند یا حدیث بیان کرے پھر کسی عارضہ کی بناء پر وہ خود کوئی بات کہے اور سننے وال ایہ گمان کرے کہ یہ بات اسی سند سے مروی ہے اور اس کی اسی طرح روایت کر دے۔

(نزہۃ النظر، صفحہ ۶۲ تا ۶۴)

مدرج المتن: حافظ ابن الصلاح فرماتے ہیں کہ ''ایک قسم وہ ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث میں کسی راوی کا کلام شامل ہو، اس کی صورت یہ ہے کہ وہ حدیث کی روایت کے بعد اپنی بات کرے اور اس کے بعد صحابی یا تابعی کا ذکر کرے اور ازاں بعد بقیہ حدیث موصول طریق پر بلافصل اور قائل کے ذکر کے بغیر بیان کرے، اسی طرح حقیقت حال سے ناواقف شخص پر معاملہ ملتبس ہو جائے اور یہ سمجھے کہ سب کچھ (متن) رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہے''۔

(مقدمہ ابن الصلاح، صفحہ ۹۵)

حافظ ابن کثیر اسی تعریف کو بطریق اختصار یوں بیان فرماتے ہیں:

''مدرج المتن یہ ہے کہ راوی کے کلام سے متن حدیث میں لفظ کا اضافہ ہو اور سننے والا یہ سمجھے کہ مرفوع حدیث ہے اور اسی طرح روایت کرے''۔ (اختصار علوم الحدیث، صفحہ ۶۱)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ادراج فی المتن کی چار اقسام بیان فرمائی ہیں:

(۱) ادراج متن کے آغاز میں ہو اور یہ بہت کم ہے۔

(۲) ادراج متن کے آخر میں ہو، یہ بہت زیادہ ہے۔

(۳) ادراج متن کے درمیان میں ہو اور یہ کم ہے۔

(۴) یہ کہ مدرج صحابی، تابعی یا تبع تابعی کا قول ہے۔ (النکت لابن حجر، جلد ۲ صفحہ ۸۱۶) ←

ہے کہ جب راوی عربیت جانتا ہو اور اسالیب کلام اور خواص عبارات اور مفہومات خطابات سے واقف ہو تا کہ خطا نہ کرے اور کمی اور زیادتی نہ ہو جائے۔[1]

---

**مدرج کی پہچان کا طریقہ:** علمائے حدیث نے اس مشکل اور پیچیدہ فن کی معرفت کیلئے چند اصول وضوابط بنائے ہیں جن کے ذریعے ادراج کی معرفت ہو سکتی ہے، امام ابن حجر نے انہیں ''وجوہ معرفۃ المدرج'' کا نام دیا ہے۔ (النکت لابن حجر جلد۲ صفحہ۸۱۶)

مزید براں امام ابن حجر عسقلانی اس کی وضاحت ایک مقام پر یوں فرماتے ہیں:

''ادراج کا چند وجوہ سے پتہ چل سکتا ہے جیسے ایسی روایت کا موجود ہونا جو مدرج کلام کو واضح کرے یا راوی یا صاحب علم ائمہ نے اس کی تصریح کی ہو اور یہ مستحیل ہو کہ نبی کریم ﷺ ایسی بات فرمائیں''۔ (نزہۃ النظر، صفحہ۹۱)

[1] روایت بالمعنی کی حیثیت پر علماء محدثین اور اصولیین کے ہاں مختلف آرائیں ہیں لیکن یہ امر متفقہ ہے کہ اس شخص کیلئے روایت بالمعنی جائز نہیں جسے الفاظ اور ان کے مدلولات کی معرفت حاصل نہیں۔

حافظ ابن الصلاح فرماتے ہیں:

''اگر راوی کو الفاظ اور ان کے مقاصد کا علم اور معرفت نہیں اور الفاظ کے معانی کی تغیر سے آگاہ نہیں اور وہ ان کے تفاوت کے مقادیر کا شعور نہیں رکھتا تو اس کے لیے روایت بالمعنی بالاتفاق ناجائز ہے اور اس پر لازم ہے کہ جو کچھ اس نے سنا ہے اسے بغیر کسی تغیر کے انہی الفاظ میں روایت کرے جن میں اس نے شیخ سے سماع کیا تھا''۔ (مقدمہ ابن الصلاح، صفحہ۲۱۴)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اسی تعریف کو بطریق اختصار یوں بیان فرماتے ہیں:

''اس شخص کے لیے حدیث کی روایت بالمعنی حرام ہے جو خطاب کے مواقع اور الفاظ کی باریکیوں سے ناواقف ہے''۔ (المستصفی، جلد۱ صفحہ۱۶۸)

**مانعین روایت بالمعنی:** جہاں بعض محدثین کرام نے روایت بالمعنی کو جائز مانا ہے، وہیں متعدد علماء کرام روایت بالمعنی کے جواز کے قائل نہیں ہیں۔

←

## عَنْعَنَہ

"عَنْ فُلَانٍ، عَنْ فُلَانٍ" کہہ کر روایت کرنا۔

ابوبکر خطیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"سلف اور حدیث پر تحقیقی نظر رکھنے والے علماء کی بڑی تعداد نے کہا ہے کہ روایت بالمعنی جائز نہیں ہے بلکہ الفاظ کو بعینہٖ بغیر تقدیم و تاخیر اور حذف و اضافہ ادا کرنا واجب ہے، اس رائے کے حامل بعض لوگوں کی روایات کو ہم نے نقل کیا ہے، ان کے نزدیک کلام کے معنیٰ، موضوع اور الفاظ کے قائم مقام کے علم اور غیر علم سے کوئی فرق نہیں پڑتا"۔ (الکفایہ للخطیب، صفحہ ۱۹۸)

نیز امام سخاوی فرماتے ہیں:

"کہا جاتا ہے کہ روایت بالمعنی مطلقاً جائز نہیں، یہی رائے ہے جس کا اظہار محدثین، فقہاء اور شوافع اصولیین کے ایک گروہ نے کیا ہے"۔ (فتح المغیث، جلد ۳ صفحہ ۱۴۰)

حافظ ابن حجر روایت بالمعنی کے جواز ماننے والوں اور مانعین روایت بالمعنی کے مابین اختلاف کی نوعیت کچھ یوں بیان فرماتے ہیں:

"روایت بالمعنی میں اختلاف مشہور ہے اور اکثر کے نزدیک جائز ہے اور ان کی قوی ترین دلیل یہ ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ عجمیوں میں سے جو شخص عربی زبان کا عالم ہو، اس کے لیے شریعت کا اپنی زبان میں ترجمہ کرنا جائز ہے اور جب ایک عربی لفظ کو دوسری لغت کے لفظ کے ساتھ تبدیل کرنا جائز ہے تو عربی لفظ کے ساتھ تبدیل کرنا بطریق اولیٰ جائز ہوگا، ایک قول یہ ہے کہ یہ مفردات میں جائز ہے اور مرکبات میں جائز نہیں اور ایک قول کے مطابق جس شخص کو لفظ مستحضر ہو اور وہ اس میں تصرف پر قادر ہو، اس کے لیے جائز ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ اس کے لیے جائز ہے جس کو حدیث حفظ ہو اور وہ اس کے الفاظ بھول گیا ہو اور اس حدیث کا معنی اس کے ذہن میں موجود ہو، اس کے لیے روایت بالمعنی جائز ہے تاکہ وہ حکم حاصل کر سکے اور یہ تمام بحث جواز اور عدم جواز میں ہے ورنہ اس میں کوئی شک نہیں کہ حدیث کو اس کے اصل الفاظ کے ساتھ بیان کرنا اولیٰ ہے۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ روایت بالمعنی کا دروازہ ←

## مُعَنْعَنْ

اس حدیث کو کہتے ہیں جو بہ طریق عنعنہ کے روایت کی گئی ہو اور چوں کہ عنعنہ میں تدلیس کا خوف ہوتا ہے اسی وجہ سے معتبر نہیں۔[1]

## مُسْنَد

وہ حدیث مرفوع ہے جس کی سند متصل ہو اور بعضے مطلقاً مرفوع کو اور بعضے مطلقاً متصل کو مسند کہتے ہیں۔[2]

---

بند کر دینا چاہیے تاکہ وہ شخص روایت بالمعنی کی جرأت ہی نہ کر سکے جس کو الفاظ غریبہ اور ان کے متبادل الفاظ بولنے کا ملکہ نہیں ہے"۔ (نزہۃ النظر لابن حجر، صفحہ ۶۸۔۶۹)

۱ے معنعن اس روایت کو کہتے ہیں جس میں راوی عن فلاں عن فلاں کہے، حدیث معنعن کے متعلق علماء کے دو قول ہیں، ایک یہ کہ جب تک اس کا اتصال واضح ہو نہ تو یہ منقطع ہے، دوسرا قول صحیح ہے جس پر جمہور محدثین متفق ہیں کہ یہ حدیث چند شرائط کے ساتھ متصل تصور ہوگی۔

(۱) راوی کی عدالت (۲) راوی کا اپنے شیخ سے لقا

(۳) راوی مدلس نہ ہو

حافظ ابن حجر مزید فرماتے ہیں:

"معاصر کے عنعنہ کو سماع پر محمول کرنے کیلئے کہا گیا ہے کہ شیخ اور شاگرد دونوں کے مابین ملاقات کا ثبوت شرط ہے، اگرچہ ایک ہی مرتبہ ہو، تاکہ باقی عنعنہ مرسل خفی ہونے سے محفوظ رہے اور علی بن مدینی اور امام بخاری وغیرہ جیسے نقاد کی پیروی کرتے ہوئے کہا گیا ہے یہ مذہب مختار ہے"۔ (عمدۃ النظر شرح نخبۃ الفکر، صفحہ ۳۸۹)

۲ے خطیب بغدادی فرماتے ہیں:

"مسند حدیث وہ حدیث ہے جس کی سند راوی سے مروی عنہ تک متصل ہو مگر اس عبارت کا زیادہ تر استعمال خاص طور پر اس حدیث کے لیے ہوتا ہے جو نبی کریم ﷺ سے شروع ہو اور اس کی سند متصل ہو کہ راویوں میں سے ہر شخص نے اپنے اوپر والے راوی سے سنا ہو ←

## شاذ

وہ حدیث ہے جو ثقات کی روایت کے مخالف ہو۔ پس راوی ثقہ نہ ہونے کی حالت میں حدیث مقبول نہیں او ثقہ ہونے کی حالت میں حفظ اور ضبط اور عدد کی زیادتی' یا اور کوئی ترجیح کی وجہ جس میں پائی جائے اُس کو راجح اور محفوظ اور مرجوح کو شاذ کہتے ہیں۔[1]

---

اور یہ سلسلہ آخر تک جائے' یہ ضرورت نہیں کہ اس میں سماع کو واضح کیا گیا ہو بلکہ عن فلان کے بیان پر اقتصار بھی ہو سکتا ہے''۔(الکفایہ للخطیب' صفحہ ۲۱)

ایک دوسرے مقام پر خطیب بغدادی حجیت مسند پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''جہاں تک ان احادیث کا تعلق ہے تو نبی کریم ﷺ تک پہنچتی ہیں تو یہ شریعت کی بنیاد ہیں' انہی سے کلام مستنبط ہوتے ہیں' ان میں سے جن کی سند متصل ہے اور جس کے رجال کی عدالت ثابت ہے تو اس سلسلے میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں کہ اس کو قبول کرنا واجب' اس پر عمل لازم اور اس کا ردّ کرنے والا گنہگار ہے''۔

(الجامع الاخلاق الراوی وآداب السامع' جلد ۲ صفحہ ۱۸۹)

[1] حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

''شاذ وہ حدیث ہے جس کو ثقہ نے اپنے سے بہتر شخص کی مخالفت کر کے روایت کیا ہو' اصطلاحاً شاذ کی یہی تعریف قابل اعتماد ہے''۔(نزہۃ النظر' صفحہ ۶۸)

امام شافعی' شاذ کی تعریف کچھ یوں فرماتے ہیں:

''حدیث شاذ یہ نہیں کہ ثقہ راوی ایسی حدیث روایت کرے جو دوسرے نہیں کرتے بلکہ شاذ یہ ہے کہ ثقہ راوی وہ حدیث بیان کرے جو لوگوں کی روایت کردہ حدیث کے مخالف ہو''۔

(الارشاد الطلاب للنووی' صفحہ ۹۶)

یہاں یہ بات بھی نقل کرنا مفید ہوگا کہ بعض محدثین کے ہاں شاذ کی تعریف مذکورہ بالا تعریفات سے جداگانہ ہے۔

←

## مُنْکَر

وہ حدیث ہے جس کا راوی فسق اور فرطِ غفلت اور کثرتِ غلط کے ساتھ مطعون ہو۔[1]

امام حاکم فرماتے ہیں:

''شاذ وہ حدیث ہے جس میں ایک ثقہ راوی دوسرے ثقہ راویوں سے منفرد ہوتا ہے اور اس ثقہ کیلئے اس حدیث کا کوئی متابع نہیں ہوتا''۔ (معرفۃ علوم الحدیث' صفحہ ۱۱۹)

شاذ کی اقسام: حافظ ابن الصلاح نے شاذ کی اقسام بیان کرتے ہوئے کہا ہے:

''منفرد راوی کو دیکھا جائے گا' اگر منفرد راوی نے اپنے سے ثقہ راوی کی مخالف کی جو حفظ وضبط میں اس سے زیادہ بڑھا ہوا ہے تو وہ شاذ مردود ہے''۔

شاذ مقبول: اگر روایت میں مخالفت نہ ہو بلکہ ایک ایسا امر ہو جسے اس نے روایت کیا اور کسی دوسرے نے نہ کیا تو پھر دیکھا جائے گا کہ اگر وہ عادل' حافظ اور اتقان وضبط کے اعتبار سے قابلِ اعتبار ہے تو وہ شاذ مقبول ہوگی۔

غیر صحیح شاذ: اگر منفرد راوی ایسا ہے جس کے حفظ و اتقان پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تو اس کا یہ انفراد نقصان دِہ ہوگا اور اسے صحیح کے دائرہ میں آنے سے روکے گا۔

(النکت لابن حجر' جلد ۲ صفحہ ۶۶۹)

امام ابن حجر فرماتے ہیں:

''شاذ مردود بھی دو اقسام میں منقسم ہے:

(۱) منفرد حدیث جو مخالف ہے۔

(۲) حدیث فرد جس کے راوی میں اس درجہ ثقاہت وضبط نہیں ہے جو تفرد و شذوذ کو نکارت وضعف سے محفوظ رکھے' یہ شذوذ سند میں بھی ہوسکتا ہے اور متن میں بھی کبھی سند اور متن دونوں میں ہوتا ہے''۔ (النکت لابن حجر' جلد ۲ صفحہ ۶۶۹)

[1] منکر: اگر راوی ضعیف بھی ہو اور اس کے ساتھ مخالفت ثقات بھی کرتا ہو تو مرویات میں ←

## مُعلّل

## اُس اسناد کو کہتے ہیں کہ جس میں ایسے اسباب اور علتیں ہوں جو اُس کی صحت

راجح کو معروف اور اس کے مقابل کو منکر کہا جاتا ہے۔(نزہۃ النظر' صفحہ ۶۹)

مزید فرماتے ہیں:

''شاذ و منکر میں عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہے کیونکہ مخالفت میں دونوں شامل ہیں جبکہ صفات خاصہ کی وجہ سے دونوں الگ ہیں' شاذ کا راوی ثقہ ہوتا ہے اور منکر کا ضعیف' لہٰذا جن لوگوں نے شاذ و منکر کو مساوی مانا ہے' اُنہوں نے غفلت برتی ہے''۔(نزہۃ النظر' صفحہ ۷۰)

اہم نکتہ: بعض محدثین کے ہاں ایسی روایات جن میں راوی روایتِ حدیث میں منفرد ہو اور اس کی روایت کے بغیر اس کا متن معروف نہ ہو' نہ اس روایت کے طریق سے اور نہ اس کے علاوہ کسی اور طریق سے تو اس پر بھی منکر کا اطلاق کر دیا جاتا ہے' یاد رہے یہاں پر لفظ ''منکر'' بطور جرح نہیں بلکہ بیانِ غرابت کیلئے ہوتا ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''منکر' یہ شاذ کی طرح مردود ہوتی ہے' اگر اس کا (ضعیف) راوی ثقہ راویوں کی مخالفت کرے تو منکر مردود ہوتی ہے اور اسی طرح اگر راوی عادل ضابطہ نہ ہو اور ثقہ راویوں کی مخالفت نہ کرے تو منکر مردود ہوتی ہے' اگر تفرد کرنے والا راوی عادل' ضابط' حافظ نہ ہو تو شرعاً یہ مقبول روایت ہے' اسے منکر نہیں کہا جائے گا اگرچہ لغوی طور پر اسے منکر کہا جائے گا''۔

(اختصار علوم الحدیث' صفحہ ۲۸)

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

''میں کہتا ہوں کہ امام احمد اور محدثین کی ایک جماعت منکر کا اطلاق ایسی حدیث پر بھی کر دیتے ہیں جس کا کوئی متابع نہ ہو''۔(مقدمہ فتح الباری' جلد ا صفحہ ۴۷۳)

شیخ عبدالعزیز بن محمد العبد اللطیف نے بھی امام ابن حجر کے مذکورہ بالا مؤقف پر من و عن نقل فرمایا ہے۔(ضوابطِ الجرح والتعدیل' صفحہ ۹۹)

←

کے لیے قادح ہوں، مثل ارسال کے موصول میں اور وقف کے مرفوع میں اور اس کو ماہرین حذاق دریافت کر سکتے ہیں۔[1]

---

یادر ہے مشہور حدیث مبارک:

''قال رسول اللّٰہ ﷺ الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون''۔

''رسول اللّٰہ ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء اپنی قبور میں زندہ ہیں اور نماز ادا کرتے ہیں''۔

(مسند ابویعلیٰ جلد ۳صفحہ ۳۱۱، رقم الحدیث:۳۴۲۵)(حیاۃ الانبیاء للبیہقی صفحہ ۳، رقم الحدیث:۲)

پر امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا منکر کا اطلاق بھی انہی معنوں پر کیا گیا ہے نہ کہ منکر مردود کے طور پر کیونکہ اس کا واضح قرینہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی عبارت ہی میں موجود ہے، آپ فرماتے ہیں:

''ما روی عنہ فیما اعلم سوی مستلم بن سعید''۔

''ہماری دانست کے مطابق مستلم بن سعید کے بغیر ان سے کسی نے روایت نہ کی''۔

(میزان الاعتدال، جلد ا صفحہ ۳۰۵، رقم:۱۷۲۷)

لہٰذا یہ جرح صحتِ حدیث کے منافی نہ ہوگی، مشہور عرب محقق فرماتے ہیں:

''محدثین کے ہاں منکر کا اطلاق غریب حدیث پر بھی کیا جاتا ہے، اگرچہ مقبول ہی کیوں نہ ہو، یہ شائع ہے، متقدمین محدثین کی اصطلاح میں''۔ (اصول التصحیح والضعیف، صفحہ ۲)

لہٰذا زیر بحث پر علامہ ذہبی کی جرح محل نظر ہے۔

مزید تفصیل کیلئے راقم اثیم کے مقالاتِ علمیہ ملاحظہ ہوں۔

[1] معلل: معلول وہ ہے جس کی علت کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ راوی نے ایک حدیث دوسری حدیث میں داخل کر دی ہے، اس میں راوی کو وہم ہوا ہے یا ایک راوی نے مرسل بیان کی ہو اور جسے وہم ہوا، اُس نے اسے موصول بیان کر دیا۔ (معرفۃ علوم الحدیث، صفحہ ۱۱۲)

امام ابن الصلاح فرماتے ہیں:

''معلل وہ حدیث ہے جس میں موجود ایسی علت کا پتہ چلے جو اس کی صحت کیلئے ←

## مُتابع

وہ ہے جس کو راوی دوسری حدیث کے موافق روایت کرے چناں چہ محدثین

قادح ہو باوجودیکہ ظاہری طور پر اس سے محفوظ نظر آئے"۔ (مقدمہ ابن الصلاح صفحہ ۹۰)

امام ابن الصلاح علت کی نوعیت پر تفصیلی گفتگو فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"معلوم ہونا چاہیے کہ علت کی اصطلاح کا اطلاق مذکورہ اسباب کے علاوہ حدیث کے ان اسبابِ قادحہ پر بھی ہوتا ہے جو حدیث کو صحت کی حالت سے نکال کر ایسے ضعف کی حالت میں لے آتے ہیں جو اس پر عمل کرنے سے مانع ہو اور یہی لفظ علت کا اصل مقتضی ہے اسی لیے علل الحدیث کی کتابوں میں کذب' غفلت' سوء حفظ اور اسی طرح کی دیگر صفات جرح کی وجہ سے جرح کا ذکر پاتے ہیں۔ امام ترمذی نے نسخ کو علل الحدیث کی ایک علت قرار دیا ہے پھر کچھ لوگوں نے علت کا اطلاق اس پر بھی کیا ہے جو اختلاف کے اسباب میں سے قادح نہیں ہے جیسے اس شخص کا ارسال جس نے وہ مرسل بیان کی جسے ثقہ' ضابط راوی نے سنداً بیان کیا ہو حتیٰ کہ صحیح کی اقسام بیان کرتے ہوئے صحیح معلوم کو بھی ایک قسم قرار دیا' یہ ایسا ہی ہے جیسے بعض لوگوں نے کہا کہ صحیح شاذ صحیح کی ایک قسم ہے"۔ (مقدمہ ابن الصلاح' صفحہ ۹۲۔۹۳)

**معرفت علل الحدیث:** امام ابن کثیر فرماتے ہیں:

"یہ فن ایک انتہائی دقیق اور مشکل فن ہے جو کہ بہت سے علمائے حدیث سے بھی مخفی ہے حتیٰ کہ بعض حفاظِ حدیث نے کہا: اس علم کے ساتھ ہماری معرفت جاہل کے نزدیک کہانت ہے"۔

(اختصار علوم الحدیث' صفحہ ۵۰)

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

"یہ علم حدیث کے نہایت دقیق اور مشکل علوم سے ہے' علت کی پہچان صرف وہی شخص کر سکتا ہے جس کو اللہ نے روشن دماغی' قوتِ حافظہ' مراتب رواۃ کی پہچان اور اسانید و متون میں مہارتِ تامہ سے نوازا ہو"۔ (نخبۃ الفکر' صفحہ ۸۲۔۸۳)

**علل حدیث پر کتب محدثین:** بقول حافظ ابن کثیر:

←

''تَـابَعَهُ فُـلَانٌ ''اور''لَـهُ مُتَابِعَاتٌ '' کہتے ہیں اور متابعت سے تقویت اور تائید ہوتی ہے اور متابع کے لیے رُتبہ میں اصل کا مساوی ہونا لازم نہیں ☆ ۔[1]

## شاھد

وہ ہے جس کو راوی دوسری حدیث کے موافق روایت کرے اور وہ دونوں دو صحابیوں سے مروی ہوں' چناں چہ کہتے ہیں:''لَــــهُ شَوَاهِدُ ''اور''يُشْهَـدُ بِـهِ

''اس علم میں سب سے جلیل القدر اور عظیم کتاب امام بخاری کے اور اس فن میں بعد والے تمام محدثین کے شیخ علی بن المدینی کی کتاب ''العلل ہے۔

اسی طرح امام عبدالرحمٰن بن ابوحاتم کی کتاب ''العلل'' ابواب پر مرتب ہے اور اسی طرح خلال کی طرح کتاب ''العلل'' ہے۔

مسند حافظ ابی بکر البزار کی کتاب بہت سی علتوں ں کے بیان پر مشتمل ہے جو دوسری مسانید میں نہیں پائی جاتیں۔ ان سب معلل روایت کو حافظ ابوالحسن الدارقطنی نے اپنی کتاب میں اکٹھا کر دیا ہے اور یہ کتاب س سے جلیل القدر ہے' امام دارقطنی نے نہ ایسی کتاب پہلے لکھی اور بعد میں آنے والے ایسی کتاب لکھنے سے عاجز ہیں''۔

(اختصار علوم الحدیث' صفحہ ۵۱۔۵۲)

[1] شیخ جمال الدین قاسی لکھتے ہیں:

''وہ حدیث ہے جس کے راوی کی تائید کوئی دوسرا راوی کرتا ہو اور تائید کرنے والا اس لائق ہو کہ اس کی روایت تسلیم کی جا سکے اور تائید کرنے والا پہلے راوی کے شیخ یا شیخ الشیخ سے ایسے الفاظ میں روایت کرے جو پہلے راوی کے بیان کردہ الفاظ سے ملتی جلتی ہو''۔

(قواعد التحدیث من فنون مصطلح الحدیث' صفحہ ۱۲۸)

☆ متابع اگر لفظ و معنی میں اصل کے موافق ہو تو اُس پر ''مِثْلُـهُ'' کا اطلاق کرتے ہیں اور اگر فقط معنی میں موافق ہو تو ''نَـحْـوُهُ'' بولتے ہیں اور متابعت میں شرط ہے کہ دونوں ایک صحابی سے مروی ہوں۔

حَدِیثُ فُلَانٍ"۔[1]

## اِعتبار

متابع اور شاہد کی معرفت کے لیے طرق واسانید کا تتبع کرنا۔[2]

## حدیث تین قسم ہے

(۱) صحیح ☆ (۲) حسن (۳) ضعیف

## صحیح لِذَاتِہٖ

وہ ہے کہ جو انتہا تک عدل تام الضبط کی نقل سے متصل السند ثابت ہو اور اس

---

[1] علامہ بدر ابن جماعہ:

"شاید یہ ہے کہ ایک حدیث دوسری حدیث کے الفاظ کی بجائے معنی کے مطابق مروی ہو تو پہلی حدیث دوسری حدیث کیلئے شاہد ہو گی"۔ (المنہل الروی، صفحہ ۵۹)

حافظ ابن حجر عسقلانی قدرے اختلاف کے ساتھ اسی تعریف کو اپنے الفاظ میں کچھ یوں بیان فرماتے ہیں:

"ایک الگ راوی ایک دوسری سند میں موجود راوی کی تائید تو کرتا ہو مگر وہ دوسرے صحابی سے روایت کرتا ہو اور اس کی یہ روایت لفظ و معنی دونوں میں یا صرف معنی میں پہلے راوی کی روایت سے مشابہ ہو"۔ (نزہۃ النظر، صفحہ ۵۵)

[2] امام ابن حجر فرماتے ہیں:

"جوامع، مسانید اور اجزاء میں اس غرض سے تتبع کرنا حدیث فرد کیلئے کوئی متابع یا شاہد مل جائے، اعتبار کہلاتا ہے"۔ (نزہۃ النظر، صفحہ ۷۲)

امام ابن الصلاح اختصاراً فرماتے ہیں:

اعتبار تتبع ہی کا نام ہے جو متابع و شاہد کو دریافت کرنے کا ذریعہ ہے"۔

(مقدمہ ابن الصلاح، صفحہ ۸۲)

☆ صحیح اعلیٰ مرتبہ، حسن متوسط، ضعیف ادنیٰ مرتبہ ہے۔ ۱۲

میں کوئی قصور اور نقصان نہ ہو۔[1]

---

[1] صحیح لذاتہٖ: حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اور خبر واحد جب عادل اور کامل الضبط راویوں سے مروی ہو اس کی سند متصل ہو اور معلل و شاذ ہونے سے محفوظ ہو تو وہ صحیح لذاتہٖ ہوگی''۔(نزہۃ النظر' صفحہ ۵۴)

مذکورہ بالا تعریف سے ثابت ہوا کہ صحیح لذاتہٖ مندرجہ ذیل چار شرائط پر مشتمل ہوتی ہے:

(۱) عدالت: عادل سے مراد وہ شخص ہے جسے وہ قوتِ راسخہ حاصل ہو جو اسے تقویٰ اور مروّت پر آمادہ کرے اور تقویٰ سے مراد شرک' فسق اور بدعت جیسے بُرے اعمال سے اجتناب ہے۔(نزہۃ النظر' صفحہ ۵۵)

خطیب بغدادی' عدالتِ راوی پر کچھ یوں تبصرہ فرماتے ہیں:

عادل وہ شخص ہے جسے فرائض کی ادائیگی اور مامور بہ کے لازم ہونے کی معرفت حاصل ہو' منہیات سے بچے اور گھٹیا قسم کے فواحش سے مجتنب رہے اور افعال و معاملات میں حق اور واجب کی جستجو میں رہے اور ایسی گفتگو سے پرہیز کرے جس سے دین و مروّت مجروح ہو جس کی یہ صورتِ حال ہو وہ اس سے متصف ہوگا کہ اپنے دین میں عادل ہے اور اپنی گفتگو میں صداقت کیلئے معروف ہے اور اس میں ایسے کبیرہ گناہوں سے اجتناب کافی نہیں ہے جن کا مرتکب فاسق مانا جاتا ہے جب تک وہ اس کے ساتھ گناہوں سے بھی اجتناب نہ کرے جو لوگوں میں کبیرہ نہیں سمجھے جاتے بلکہ اس کا امکان ہے کہ وہ صغیرہ گناہ ہوں''۔

(الکفایہ للخطیب' صفحہ ۸۰)

(۲) دوسری شرط راوی کا کامل الضبط ہونا ہے' ضبط کی دو اقسام ہیں:

(۱) ضبطِ قلبی (۲) ضبطِ کتابی

ضبطِ قلبی سے مراد ہے کہ راوی نے جو کچھ سنا ہے اس قدر راسخ ہو جائے کہ وہ جب چاہے اسے ادا کر دے۔(نزہۃ النظر' صفحہ ۵۵)

اور ضبط کتابی سے مراد راوی کا سننے اور درست کرنے کے بعد اپنے پاس محفوظ رکھنا ہے ←

## صحیح لغیرہٖ

وہ ہے جس کی صفاتِ مذکورہ میں کسی قسم کا نقصان ہو اور کثرت طرق سے اُس کا جبر نقصان ہو گیا ہو۔[1]

## حسن لِذَاتِہٖ

وہ ہے جس میں جبر نقصان نہ ہو اور نقصان فقط ضبط میں ہو اور باقی صفتیں اپنے حال پر ہوں۔[2]

---

تا آنکہ دوسرے راوی تک پہنچا دے۔ (فتح المغیث' جلد ا صفحہ ۱۵)

(۳) اتصالِ سند: امام ابن حجر کے ہاں صحیح لذاتہٖ کیلئے تیسری شرط اتصالِ سند ہے۔

اتصالِ سند سے مراد ہے وہ سلسلہ رواۃ جس میں کوئی راوی ساقط نہ ہو اور ہر راوی نے متصلاً اپنے شیخ سے سنا ہو۔ (نزہۃ النظر' صفحہ ۵٦)

(۴) المعلل: حدیث صحیح لذاتہٖ کی چوتھی شرط یہ کہ وہ معلل نہ ہو' معلل سے مراد وہ حدیث جس میں ایسی صفت پائی جائے جو اس کی صحت کو مجروح کر دے باوجودیکہ ظاہری طور پر اسے محفوظ معلوم ہو۔ (الخلاصۃ للطیبی' صفحہ ۷)

(۵) شاذ: صحیح لذاتہٖ کی پانچویں شرط کہ وہ شاذ نہ ہو' شاذ سے مراد راوی کا اپنے سے زیادہ ثقہ اور ارجح راوی کی مخالفت کرنا ہے۔ (نزہۃ النظر' صفحہ ۵٦)

1. صحیح لغیرہٖ وہ حدیث ہے جس میں صحیح لذاتہٖ کی صفات نہیں ہوتیں جبکہ ان کی کمی دیگر طرق سے پوری ہو جاتی ہے تو اس تقویت کی بناء پر وہ صحیح لغیرہٖ کہلاتی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

"اگر ان صفات کی کمی کثرتِ طرق سے پوری ہو گئی تو وہ صحیح لغیرہٖ ہو گی اور اگر کمی پوری نہ ہوئی تو وہ حسن لذاتہٖ ہو گی"۔ (نزہۃ النظر' صفحہ ۵۵)

2. حسن لذاتہٖ سے مراد وہ روایت ہے جس کے راوی صدق میں مشہور ہوں لیکن حفظ و ضبط میں رجال صحیح سے کم ہوں۔ (قواعد التحدیث' صفحہ ۱۰۲)

←

## حسن لغیرہٖ

وہ ضعیف حدیث ہے جس میں تردد طرق سے اس کے ضعف کا جبر نقصان ہو گیا ہو اور اس میں تمام صفتوں میں نقصان راہ پاتا ہے۔[1]

## عدالت

وہ قوت ہے جو ملازمت تقویٰ اور مروّت کا باعث ہو اور یہاں تقویٰ سے اجتناب اعمالِ سیئہ شرک وفسق و بدعت سے مراد ہے اور اجتناب صغیرہ سے شرط نہیں، مگر صغیرہ پر اصرار اور دوام بھی کبیرہ کے ہی قبیل میں سے ہے۔ اور مروّت سے یہ مراد ہے کہ بعض خسائس اور نقائص سے کہ جو مقتضائے ہمت نہیں، پرہیز کرے جیسے کہ بعض مباحاتِ دَنیہ مثل بازار میں کھانے اور شرعِ عام میں پیشاب کرنے کے اور مثل اسی کی۔[2]

---

حسن لذاتہٖ کا حکم حدیثِ صحیح کی طرح ہے، اگرچہ یہ قوت میں اس سے ذرا کم ہے۔

(نزہۃ النظر، صفحہ ۴۸)

اور اسی وجہ سے تمام فقہاء نے اسی سے استدلال کیا ہے اور احادیث حسان پر عمل کیا ہے اور اکثر اصولیین اور محدثین کا یہی مسلک ہے۔ (مقدمہ ابن الصلاح، صفحہ ۴۳۔۴۴)

جبکہ بعض علمائے حدیث نے جیسا کہ امام حاکم، ابن حبان اور امام ابن خزیمہ نے حسن لذاتہٖ کو صحیح کے ہم پلہ قرار دیا ہے۔ (تدریب الراوی، صفحہ ۱۶۰)

1. حسن لغیرہٖ: وہ حدیث ہے جس میں حُسن ذاتی نہ ہو، یعنی وہ خود تو حسن نہ ہو کیونکہ اس کے راوی یا اسنادِ حدیث میں کوئی معمولی سقم پایا جائے، مگر ایسی خارجی تائیدات مل گئی ہوں جن کی وجہ سے اس نقصان کی تلافی ہوگئی ہو، اس لیے اس کو مجموعہ متابع کی وجہ سے حسن قرار دے دیا جاتا ہے۔ (معرفت علوم حدیث، صفحہ ۱۹۴۔۱۹۵)

2. امام عضدالدین ایجی، عدالت کی تعریف کچھ یوں بیان فرماتے ہیں: ←

## (تنبیہ:) عدل

عدل روایت عدلِ شہادت سے عام تر ہے اس لیے کہ عدل شہادت حر کے

''عدالت سے مراد دین کی ایسی حفاظت ہے جو انسان کو تقویٰ و مروّت کی مستقل پابندی پر آمادہ کرے اور اس کے ساتھ بدعت بھی نہ ہو اور ہماری طرف سے دین کے حفاظت کی شرط سے کافر کا عادل نہ ہونا ثابت ہوتا ہے اور تقویٰ و مروّت کی شرط فاسق کو عادل نہیں رہنے دیتی اور بدعتی نہ ہونے کی شرط بدعتی کے عدل کی نفی کرتی ہے' پس ان تمام کی روایت قبول ہوں گی''۔
(شرح مختصر ابن الحاجب' جلد۲ صفحہ۶۳) (التلویح شرح التوضیح' جلد۲ صفحہ۴۲۵)

**شرط عدالت کا سبب:** علماءِ اصول نے خبر کی صحت کے لیے عدالت کی شرط اس لیے عائد کی ہے کہ جو شخص نہ تو حلال و حرام میں تمیز کرے اور نہ ہی حرام کے ارتکاب میں احتیاط برتے تو اس سے اس امر کا امکان ہے کہ وہ دین کے معاملے میں اپنے ذاتی اغراض مثلاً حصولِ مال و جاہ وغیرہ کیلئے ایسی باتیں داخل کر دے جو دین سے ٹکراتی ہوں۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ غیر نبی کا کلام خطاء یا کذب سے پاک نہیں ہوسکتا کیوں کہ صرف انبیاء معصوم عن الخطاء والذنب ہیں' اس لیے اس کے کلام میں سچائی کے پہلو کو غالب رکھنے کے لیے عدالت کی شرط لگائی گئی ہے' جو شخص دینی معاملات میں حرام سے اجتناب کرے اور فرائض کی ادائیگی میں بھی مصروف ہو تو لامحالہ وہ جھوٹ سے بھی پرہیز کرتا ہوگا کیوں کہ یہ بھی دین میں حرام ہے' اس شخص کے اس کردار کی وجہ سے خبر میں سچ کا پہلو غالب آ جاتا ہے لیکن خطاء کذب کا شبہ ختم نہیں ہوتا' اس لیے وہ خبر موجب عمل تو بن جاتی ہے لیکن موجب علم نہیں بنتی۔

(میزان الاصول فی نتائج المعقول' صفحہ۴۳۲) (کشف الاسرار شرح المنار' جلد۲ صفحہ۳۶)

علمائے کرام نے عدالت کو مزید دو اقسام میں منقسم فرمایا ہے:

(۱) عدالت قاصرہ (۲) عدالت کاملہ

**عدالت قاصرہ:** عدالت قاصرہ آدمی کے اسلام' اعتدال' عقل اور بلوغت سے معلوم ہوتی ہے کیوں کہ یہ بات فرض کی جاتی ہے کہ ہر صاحبِ عقل مسلمان جھوٹ نہیں بولے گا' ←

ساتھ مخصوص ہے اور عدل روایت غلام اور آزاد سب کو شامل ہے۔

ضبط سے حفظ مراد ہے کہ مسموع اور مروی کی تثبیت کریں اور مختل اور فوت نہ ہونے دیں یہاں تک کہ اس کے حاضر کرنے پر قادر ہو اور ضبط دو قسم ہے: ضبط صدر اور ضبط کتاب۔ ضبط صدر یاد رکھنا اور ضبط کتاب یہ ہے کہ کتاب کو ادا کے وقت تک اپنے پاس محفوظ اور مصئون رکھیں۔[1]

---

خلافِ شرح کاموں سے پرہیز کرے گا اور ایسے اُمور سے بچے گا جن کا شمار فسق و فجور میں ہوتا ہے، لیکن اس قسم کے عادل آدمی کی خبر حجت نہیں ہو گی کیوں کہ ایسے شخص کا یہ ظاہر دوسرے ظاہر سے متعارض ہے اور وہ اس کی نفسانی خواہشات ہیں کیوں کہ یہ خواہشات اصل ہیں اور عقل ان کے بعد آتی ہے اور کبھی کبھی تو انسان ان خواہشات کی وجہ سے عقل اور شرع کے خلاف اعمال انجام دیتا ہے، اس لیے وہ ایک طرح سے عادل ہو گا مگر دوسری طرح سے عادل نہیں ہو گا جیسے معتوہ یا عاقل بچہ۔ اس قسم کی عدالت قطعاً حجت نہیں اور اس کی روایت قابلِ ردّ ہو گی۔ (کشف الاسرار شرح اصول البزدوی، جلد۲ صفحہ۷۱۹)

عدالت کاملہ: عدالتِ کاملہ سے مراد دین اور عقل کے رجحان کا خواہشاتِ نفسانی اور شہوت پر غالب آ جانا ہے، اس لیے یہ کہا جاتا ہے کہ جو گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہو اس کی عدالت ساقط ہو جائے گی اور اس پر جھوٹ کی تہمت ثابت ہو جائے گی، ایسے ہی اگر کبیرہ سے ہٹ کر گناہ کی کسی اور قسم پر اصرار کرتا ہے تو بھی اس گناہ کبیرہ کے مرتکب کی مانند ہے لیکن اگر کوئی گناہ کبیرہ کا مرتکب بھی نہیں اور صغیرہ پر اصرار بھی نہیں کرتا تو وہ شخص کامل العدالۃ ہے اور اس کی خبر اُمورِ شریعت میں حجت ہے، گویا عدالتِ کاملہ جس کو عدالت کا ادنیٰ معیار تصور کیا گیا ہے، یہ ہے:

''گناہ کبیرہ کو ترک کر دینا اور صغیرہ گناہ پر اصرار نہ کرنا''۔ (التلویح شرح التوضیح، جلد۲ صفحہ۴۲۵)

[1] اصطلاح میں ضبط سے مراد راوی کا حدیث کو اچھی طرح سن کر ادا کرنے کے وقت تک یاد رکھنا ہے گویا ضبط میں دو چیزیں ملحوظ رکھی جاتی ہیں، پہلی قوتِ حافظہ اور دوسری غور و فکر و دقّتِ نظر۔

(کشف الاسرار شرح المنار، جلد۲ صفحہ۳۲) ←

## وجوہِ طعن جو عدالت کے متعلق ہیں

پانچ قسم ہیں:

(۱) کذب راوی (۲) اتہام راوی بہ کذب (۳) فسق

(۴) جہالت (۵) بدعت

## کذب راوی

کذب راوی سے یہ مراد ہے کہ اُس کا کذب حدیثِ نبوی ﷺ میں ثابت ہو گیا ہو اور اگر کسی سے تمام عمر میں ایک مرتبہ بھی حدیث میں قصداً کذب ثابت ہو جائے باوجود توبہ کرنے کے بھی کبھی اس سے حدیث مقبول نہیں' بہ خلافِ شاہد زور کے۔[1]

## حدیث موضوع

وہ ہے جس کا راوی کذب کے ساتھ مطعون ہو نہ یہ کہ اس سے خاص کر اسی

یاد رہے کہ راوی کا ضبط معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب اس کی روایت کا مقابلہ اصحابِ حفظ و ضبط اور ثقہ راویوں کی روایت کے ساتھ کیا جائے تو اس کی روایت ان کے مطابق ہو' اگر اس کی روایت کردہ حدیث صرف معنی میں ہی ضابط راویوں کے مطابق ہو' اگر چہ الفاظ مختلف ہوں تو اس کو ضابط راوی قرار دیا جائے گا' قلیل اختلاف چنداں قابل اعتناء نہیں ہے' اگر یہ راوی ضبط و ثقہ راویوں کی اکثر مخالفت کرتا ہو اور تطابق و توافق کے مواقع کم ہوں تو اس کا ضبط خلل پذیر سمجھا جائے گا اور اس کی حدیث سے احتجاج موقوف ہوگا۔

(التدریب الراوی صفحہ ۱۱۰)

[1] کذب طعن راوی میں سب سے زیادہ شدید مسئلہ ہے' حدیث نبوی میں راوی کے کذب کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے وہ بات روایت کرے جو آپ نے نہیں کی۔

(نزہۃ النظر' صفحہ ۸۵)

حدیث میں کذب ثابت ہوا ہو۔ اور وضع اور افترا کا حکم کرنا بہ اعتبار ظن غالب کے ہے نہ یقینی اس لیے کہ جھوٹے کبھی سچ بھی کہتے ہیں۔[1]

---

[1] حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

''کسی حدیث کے موضوع ہونے کا حکم ظن غالب سے لگایا جاتا ہے اور قطعیت کے ساتھ کسی حدیث کو موضوع نہیں کہا جاتا' کیونکہ کبھی جھوٹا آدمی بھی سچی بات کہتا ہے لیکن علماءِ حدیث کو ایسا قوی ملکہ حاصل ہوتا ہے جس سے وہ حدیثِ موضوع کو غیر موضوع سے متمیز کر لیتے ہیں اور یہ ملکہ اسی شخص کو حاصل ہوتا ہے جس کو علمِ حدیث کی کامل اطلاع ہو اور اس کا ذہن روشن ہوا اور اس کی فہم قوی ہو اور وہ حدیثِ موضوع کے قرائن سے اس کی معرفت حاصل کرے' اور کبھی حدیث کے موضوع ہونے کا اس کے واضع کے اقرار سے علم ہو جاتا ہے۔ ابن دقیق العید نے کہا: لیکن یہ بات قطعی نہیں ہے' کیونکہ یہ بھی احتمال ہے کہ وہ اپنے اقرار میں بھی جھوٹا ہو۔ اس قول سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا یا کہ واضع کے اقرار پر بالکل عمل نہیں کیا جائے گا حالانکہ ابن دقیق العید کی یہ مراد نہیں ہے' انہوں نے صرف قطعیت کی نفی کی ہے اور کسی حدیث پر قطعیت کے ساتھ موضوع ہونے کا حکم نہ لانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس پر ظن غالب سے بھی موضوع ہونے کا حکم نہ لگایا جائے' اور یہاں معاملہ اسی طرح ہے اور اگر یہ جائز نہ ہوتا قاتل کے اقرار سے اس کو قتل کرنا اور زنا کے معترف کو رجم کرنا بھی جائز نہ ہوتا' کیونکہ یہاں بھی یہ احتمال ہے کہ وہ دونوں اپنے اعتراف میں جھوٹے ہوں۔

قرائن حدیث موضوع: جن قرائن سے حدیث کے موضوع ہونے کا علم ہوتا ہے ان میں سے ایک قرینہ راوی کا حال ہے' ایک مرتبہ مامون بن احمد کے سامنے یہ ذکر ہوا کہ آیا حسن بصری کا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع ہے یا نہیں' تو ایک شخص نے اسی وقت نبی ﷺ تک سند بنا کر ایک حدیث سنا دی اور اس نے کہا: حسن نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث سنی ہے۔ اسی طرح غیاث بن ابراہیم' مہدی کے پاس گیا تو وہ کبوتروں سے کھیل رہا تھا' ←

## اِتِّہام راوی بہ کذب

یہ ہے کہ راوی باتیں کہنے میں جھوٹا مشہور ہو گیا ہو' اگر چہ اس جھوٹ کا وقوع حدیث نبوی ﷺ میں نہ ثابت ہوا ہو۔ اور ایسا شخص اگر توبہ کرے اور اُس کی توبہ صحیح ہو اور صدق و صلاح کی علامتیں اُس کے حال سے ظاہر ہوں تو اُس سے حدیث سن سکتے ہیں اور اگر بہ طریق ندرت احیاناً حدیث کے سوا کسی اور کلام میں

---

اس نے اسی وقت نبی ﷺ تک ایک سند بنا کر کہا: تیراندازی' شترسواری' گھوڑے سواری اور پرندوں کے سوا اور کسی چیز میں مقابلہ کرنا جائز نہیں ہے' اس نے پرندوں ک الفظ اپنی طرف سے بڑھا دیا۔ خلیفہ مہدی تاڑ گیا کہ اس نے اس کا قرب حاصل کرنے کیلئے جھوٹ بولا ہے' اس نے اسی وقت اس کبوتر کو ذبح کرنے کا حکم دیا۔ دوسرا قرینہ یہ ہے کہ وہ حدیث نص قرآن مجید یا سنتِ متواترہ یا اجماعِ قطعی یا عقلِ صریح کے خلاف ہو اور اس میں کسی طرح کی تاویل نہ ہو سکے' واضع کبھی تو حدیث کو خود بناتا ہے اور کبھی کسی اور کے کلام کو بطور حدیث پیش کرتا ہے' مثلاً بعض سلف صالحین یا قدماء' حکماء کے کلام کو یا اسرائیلیات کو یا کسی ضعیف حدیث کی ایک صحیح سند بنا لیتا ہے تا کہ اس حدیث کی شہرت ہو' حدیث گھڑنے کا محرک اور باعث یا تو بے دینی ہے جیسے زندیق لوگ' یا غلبۂ جہل' جیسے جاہل صوفیاء یا فرط عصبیت جیسے بعض مقلدین یا بعض رئیسوں کی خواہش پوری کرنے کیلئے یا کوئی انوکھی بات کرنے کے شوق میں یا شہرت حاصل کرنے کیلئے اور یہ تمام اُمور بالا جماع حرام ہیں۔ اور اسی پر اتفاق ہے کہ نبی ﷺ پر عمداً جھوٹ بولنا گناہ کبیرہ ہے اور ابو محمد جوینی نے کہا: وہ شخص کافر ہے جو نبی ﷺ پر عمداً جھوٹ باندھے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ موضوع روایت کو بیان کرنا حرام ہے' الا یہ کہہ کر بیان کر سکتا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے کیونکہ امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے میری حدیث بیان کی حالانکہ اس کو علم تھا کہ یہ جھوٹ ہے تو وہ بھی جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے''۔

(شرح نخبۃ الفکر' صفحہ ۵۷ تا ۶۰)

جھوٹ پایا جائے تو اُس کی حدیث کو متروک یا موضوع نہیں کہہ سکتے ہیں۔[1]

## حدیث متروک

وہ ہے جس کا راوی ''مُتَّهَم'' بہ کذب ہو یا روایت شرع کے قواعدِ معلومہ ضروریہ کے خلاف ہو' چناں چہ ''حَدِيْثٌ مَتْرُوْكٌ'' اور ''هُوَ مَتْرُوْكُ الْحَدِيْثِ'' کہہ دیتے ہیں۔[2]

---

[1] جیسا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

''راوی پر عمداً جھوٹی حدیث روایت کرنے کی تہمت ہو' اس کی جانب سے اس کی روایت ہوئی جس حدیث کے راوی میں یہ طعن ہو' اسے متروک اور اس طرح اس شخص کی حدیث کو بھی متروک کہا جاتا ہے' خواہ اپنے کلام اور گفتگو میں جھوٹ بولنے کا عادی ہو' حدیث نبوی ﷺ کے متعلق اس سے کذب ثابت نہ ہو جس راوی میں تہمت جھوٹ کا عیب ہو' اس کی حدیث کو متروک کہا جاتا ہے' جیسے کہتے ہیں:

''حديثه متروك'' یا ''فلان متروك الحديث''۔

ایسا شخص اگر توبہ کرے اور علاماتِ صدق ظاہر ہو جائیں تو اس کی روایت کردہ حدیث مقبول ہو سکتی ہے اور جس شخص سے کبھی نادراً اپنے کلام میں جھوٹ سرزد ہو نہ کہ حدیثِ نبوی ﷺ میں اس کی حدیث کو متروک یا موضوع کا نام نہیں دیا جائے گا' اگرچہ یہ معصیت ہے''۔

(مقدمہ مشکوٰۃ' صفحہ ۲۰)

[2] جیسا کہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جس حدیث میں کسی ثقہ راوی کی مخالفت نہ ہو اور اس کا راوی کذب کے ساتھ متہم ہو اور وہ حدیث صرف اسی شخص سے مروی ہو اور وہ قواعد معلومہ کے خلاف ہو' یا وہ راوی حدیثِ نبوی کے ماسوا میں جھوٹ بولنے میں مشہور ہو' یا وہ بہت غلطیاں کرتا ہو' فاسق ہو' یا غافل ہو تو اس کی حدیث متروک ہے اور یہ ایک مستقل قسم ہے''۔ (تدریب الراوی صفحہ ۲۶۲)

## فِسق

فسق ☆ سے یہ مراد ہے کہ عمل میں ہو نہ اعتقاد میں۔ اس لیے کہ اُس کو بدعت میں داخل کرتے ہیں اور اکثر بدعت کا استعمال اعتقاد میں ہے۔[1]

---

☆ کذب بھی اگر چہ فسق میں داخل ہے' لیکن اُس میں تبائن حکم اور شدتِ طعن ہونے کی وجہ سے اُس کو جدا شمار کیا ہے۔۱۲

[1] لفظ فاسق' فسق سے اسم فاعل ہے جس کی جمع فساق یا فسقہ ہے' اس کے لغوی معنی سیدھے راستے سے ہٹ جانا ہے لیکن شریعت میں اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنا' راہِ حق کو چھوڑ دینا' دین سے نکل کر بُرائی کی طرف مائل ہونا ہے جیسے قرآن مجید میں ابلیس کے بارے میں ہے:

''فسق عن امر ربه''۔

''اس لیے اپنے رب کے حکم کی اطاعت سے نکل گیا''۔

یعنی رب کے حکم کو چھوڑ دیا اور اس کی اطاعت سے نکل گیا' لٰہذا جو شخص کسی بھی معاملے میں اللہ تعالیٰ کا حکم چھوڑ کر اپنے یا کسی اور طریقے کو اختیار کرے' وہ فاسق ہے۔

(محیط المحیط' جلد۲ صفحہ ۱۶۰۳)

فقہاء کرام نے اس لفظ کو مزید وسعت دیتے ہوئے لکھا:

''فاسق وہ مسلمان ہے جس سے گناہ کبیرہ سرزد ہوا ہو' یا وہ گناہ صغیرہ کا مسلسل ارتکاب کرتا رہتا ہو''۔ (کشف الاسرار للبخاری' صفحہ ۷۳۰)

بہرحال علماءِ کرام نے فاسق کو دو اقسام میں منقسم کیا ہے:

(ا) فسق متاول: فاسق متاول یا متعل سے مراد ایسا شخص ہے جس سے کوئی ایسا فعل سرزد ہو رہا ہو جس کو بعض فقہاء معصیت سمجھیں لیکن وہ شخص خود اس عمل کو بعض شرعی دلائل کی وجہ سے شرعی امر گردانے' مثلاً نبیذ کا استعمال احناف کے نزدیک شرعاً جائز ہے لیکن جمہور اسے حرام تصور کرتے ہیں' اس لیے وہ حنفی جو نبیذ پیتا ہو' جمہور کے نزدیک فاسق ہے لیکن بزعم خود وہ ←

## جہالت

راوی کے نام کی جہالت بھی حدیث میں طعن کا سبب ہے اس لیے کہ جب اُس کا نام نہ معلوم ہوگا اُس کا حال بھی نامعلوم ہوگا اور یہ بھی نامعلوم ہوگا کہ وہ ثقہ ہے یا نہیں۔ مثلاً ''اَخْبَرَنِیْ رَجُلٌ'' اور ''اَخْبَرَنِیْ شَیْخٌ'' کہیں۔[1]

---

فاسق نہیں کیوں کہ اس کے پاس اپنے عمل کے حق میں شرعی دلیل موجود ہے۔ اسی طرح ذبیحہ پر عمداً بسم اللہ نہ پڑھنا احناف کے نزدیک فسق اور جمہور کے نزدیک جائز ہے' اس لیے ایسا شخص جو ان اجتہادی مسائل کو جن سے ائمہ فقہاء میں آپس میں اختلاف اختیار کرنے سے دوسرے فرقہ کے نزدیک فاسق تصور ہوگا' وہ فاسق متعل ہوگا اور اس کا فسق بھی فسق متاول شمار ہوگا' یعنی اس نے اپنے فسق کی شرعی تاویل کی ہوئی ہے۔

(۲) فاسق عمد: اس سے مراد ایسا فاسق ہے جو اپنے عمل کی کوئی شرعی تاویل نہ کر سکے بلکہ یہ جانتے ہوئے کہ اس عمل یا اس کے یہ نظریات شریعت سے متصادم ہیں' وہ اپنے عمل اور نظریات پر قائم رہے۔ ایسے فسق میں عموماً وہ فرقہ آ جاتے ہیں جو جمہور علماء کے نزدیک شریعتِ اسلامی کے نقطۂ نظر کے مطابق صحیح نظریات کے حامل نہیں لیکن ان کے ظاہری عقائد کو مدنظر رکھتے ہوئے ان پر کفر کا فتویٰ بھی نہیں لگایا جا سکتا' مثلاً خوارج یا اہل تشیع میں سے خطابیہ' مرجیہ اور معتزلہ وغیرہ۔ (شرح الکوکب المنیر' جلد۲ صفحہ ۳۸۳)

[1] راوی پر طعن کے اسباب میں سے ایک سبب ''جہالت'' ہے اس پر مشتمل حدیث کا کوئی خاص نام نہیں ہے' بلکہ جو راوی اس وصف کے ساتھ متصف ہو اس کو حضراتِ محدثین ''مجہول'' سے یاد کرتے ہیں۔

مجہول کی تعریف: ہر وہ راوی جس کی ذات یا صفات کا علم نہ ہو۔

مجہول کی اقسام: (۱) مجہول الذات (۲) مجہول العین (۳) مجہول الحال

(۱) مجہول الذات:

ہر وہ راوی جس کے نام کی تصریح نہ کی جائے' اسے حضراتِ محدثین ''مبہم'' کے عنوان سے ←

## حدیث مُبْہَم

**وہ ہے جس کا راوی مجہول ہو اور یہ مقبول نہیں ہے' مگر جب کہ وہ صحابی ہو کہ**

ذکر کرتے ہیں۔ (نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر' صفحہ ۹۲)

**جہالت کی قسمیں: (۱) کثرتِ صفات:** جن الفاظ وکلمات سے راوی کو ذکر کیا جاتا ہے ان کی کثرت خواہ حقیقی نام وکنیت ہو یا لقب وصف' یا نسب و پیشہ' راوی ان میں سے ایک سے معروف ومشہور ہوتا ہے اور ذکر والا کسی خاص غرض کے تحت غیر مشہور نام و وصف کو استعمال کرتا ہے' جس سے یہ سمجھایا جاتا ہے کہ یہ کوئی دوسرا راوی ہے اور اس نام و وصف سے معروف نہ ہونے کی وجہ سے راوی مجہول قرار پاتا ہے۔

**کثرتِ صفات کی مثال:** ''محمد بن سائب بن بشر کلبی'' کو بعض ''دادا'' کی طرف منسوب کر کے ''محمد بن بشر'' کہا ہے' بعض نے نا کا نام ''حماد'' کا ذکر کیا ہے' بعض نے ان کی کنیت ''ابونصر'' بعض نے ''ابوسعید'' اور بعض نے ''ابوہشام'' ذکر کی ہے' جس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ پوری ایک جماعت کے نام ہیں' حالانکہ ان سب کا مصداق ایک ہی شخص ہے۔

(نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر' صفحہ ۹۲)

**(۲) نام کی عدمِ صراحت:** اختصار یا کسی دوسری غرض سے راویٔ حدیث کا نام نہ لینا۔

**نام کی عدمِ صراحت کی مثال:** راوی کا قول ''أخبرني فلان' أخبرني شيخ' أخبرني رجل'' وغیرہ۔

**مجہول کا حکم:** اگر راوی نام کی تصریح کرے یا کسی دوسری سند سے اس کے نام کا علم ہو جائے تو اس کی روایت صحیح قرار پائے گی ورنہ ضعیف۔

### (۲) مجہول العین:

**مجہول العین کی تعریف:** ''ہر راوی ہے جس کا نام تو لیا گیا ہو لیکن اس سے روایت کرنے والا ایک ہی شخص ہو''۔

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ←

وہ سب عدل ہیں۔ اور اگر کہے کہ "اَخْبَرَنِیْ عَدْلٌ" یا "اَخْبَرَنِیْ ثِقَةٌ" تو اس میں اختلاف ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ مقبول نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ ممکن ہے کہ اُس نے اپنے اعتقاد سے ثقہ خیال کیا ہو اور نفس الامر میں ثقہ نہ ہو۔ پس اُس کا نام کہے تاکہ سب جانیں کہ ثقہ ہے اور اگر امام حاذق کہے، مقبول ہے۔[1]

---

"فان سمی الراوی وانفرد راو واحد بالروایة عنه"۔

(نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر، صفحہ ۹۷)

مجہول العین کا حکم: اگر اس مجہول سے روایت کرنے والے کے علاوہ کوئی دوسرا شخص یا خود راوی توثیق کر دے، بشرطیکہ راوی اس مرتبہ واہلیت کا حامل ہو، تب اس کی حدیث صحیح قرار پائے گی ورنہ ضعیف کہلائے گی۔

(۳) مجہول الحال (مستور):

مجہول الحال کی تعریف: "ہر وہ راوی جس سے روایت کرنے والے دو یا دو سے زائد ہوں، مگر اس کی توثیق منقول نہ ہو"۔

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ان روی عنه اثنان فصاعد اولم یوثق"۔ (نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر، صفحہ ۹۹)

مجہول الحال کا حکم: بقول ابن جماعہ رحمۃ اللہ علیہ کے مختار قول یہی ہے کہ اس کی روایت مقبول ہے اور سلیم رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی قول کو صحیح قرار دیا ہے اور متقدمین کے ہاں بھی اسی پر عمل تھا۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے:

"راوی کی حالت معلوم ہونے تک توقف کیا جائے گا"۔ (نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر، صفحہ ۱۰۰)

[1] کبھی مروی عنہ کا نام اختصاراً نہیں لیا جاتا اور یہ کہہ دیا جاتا ہے:

"اخبرنی شیخ او رجل او فلان او بعضهم او ان فلان"۔

"یعنی مجھے شیخ نے، یا کسی شخص نے، یا فلان نے، یا ان میں سے کسی نے، یا فلاں کے بیٹے نے ←

## بدعت

بدعت سے ایسی چیز کا اعتقاد کرنا مراد ہے کہ جو کسی شبہہ اور تاویل سے اُس کے برخلاف احداث کی گئی ہو جو سرور اکرم ﷺ سے معروف اور معلوم ہے اور

---

خبردی''۔(نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر' صفحہ ۹۸)

ایسے راوی کو مبہم کہا جاتا ہے اور مبہم راوی کے نام کو کسی اور طریق سند میں وارد ہونے کی وجہ سے متعین کیا جاتا ہے۔(نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر' صفحہ ۹۸)

حافظ ابن الصلاح فرماتے ہیں:

''اور مبہم کا علم بعض دوسری روایات میں وارد اسماء کے ذریعے حاصل ہوتا ہے اور اکثر ایسے مبہمات ہیں جن کے ناموں کا پتہ نہیں چلتا''۔(مقدمہ ابن الصلاح' صفحہ ۹۸)

مبہم کی اقسام: مبہم کی دو اقسام ہیں کیونکہ ابہام سند میں ہوگا یا متن میں' اگرچہ عام طور پر جو تعریف کی جاتی ہے اس میں زیادہ ذکر ابہام فی السند ہی سے متعلق ہوتا ہے' اس لیے ہم اوّلین طور پر اس کو بیان کریں گے۔ ابہام فی السند کے چونکہ مختلف پہلو ہیں' لہٰذا انہی کے لحاظ سے ذکر کریں گے:

(ا) وہ جس میں ''رجل امراۃ''، ''فلانۃ'' یا ایسے ہی الفاظ ہوں۔

(۲) ابہام فی المتن سے مراد یہ ہے کہ اس میں کسی حکم کے زمانہ کا تعین ہوسکتا ہے' کسی خاص فعل کی نسبت کی بات ہوسکتی ہے' لہٰذا رفع ابہام میں ناسخ و منسوخ اور واقعہ کے عارضی ہونے کا تعین ہوسکتا ہے۔(تدریب الراوی' جلد ۲ صفحہ ۲۹۹)

مبہم روایت کی حیثیت و حکم: حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اس کی حیثیت کے متعلق لکھتے ہیں:

''مبہم راوی کا نام جب تک مذکور نہ ہو' اس کی حدیث قبول نہیں کی جاتی' اس لیے کہ خبر کے مقبول ہوئے راویوں کی عدالت شرط ہے جس کا نام مبہم ہے تو اس کی ذات غیر معروف ہے' عدالت تو بعد کا معاملہ ہے''۔(نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر' صفحہ ۹۸)

حافظ ابن حجر مزید لکھتے ہیں: ←

مبتدع کی حدیث مردود ہے اور بعضوں کے نزدیک اگر حفظ لہجہ اور صیانت زبان کے ساتھ متصف ہو' مقبول ہے۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ جو ضروریاتِ دین میں سے کسی امر متواتر کا منکر ہو' مردود ہے اور جو ایسا نہ ہو اگر چہ مخالفوں نے اُس کی تکفیر کی ہو تو ضبط اور ورع اور تقویٰ اور احتیاط کے انضمام سے مقبول ☆ ہے۔ ¹

"اگر کسی نے الفاظ تعدیل کے ساتھ مبہم حدیث بیان کی' مثلاً "اخبرنی عادل" یا "حدثنی ثقه" کہا تو اس کی قبولیت میں اختلاف ہے' ان کے نزدیک اصح اور معتمد علیہ یہی ہے کہ وہ غیر مقبول ہے' کیونکہ یہ ممکن ہے کہ مروی عنہ راوی کے خیال میں عادل و ثقہ ہو' لیکن کسی دوسرے کے نزدیک مجروح ہو' بعینہ اس احتمال کے سبب مرسل قبول نہیں کیا جاتا' اگر چہ وہ ارسال بعینہٖ جزم کسی راوی کی طرف سے ہی کیوں نہ ہو' واقع ہو۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ظاہر کو دیکھتے ہوئے ایسی احادیث کو مقبول گردانا چاہیے' کیونکہ جرح خلافِ اصل ہے' یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر قائل عالم ہو تو اس کے متبعین کے لیے اس کی جانب سے کی گئی تعدیل قابلِ قبول ہوگی۔ لیکن یہ عقیدہ کی بات ہے اور علوم الحدیث کے مباحث سے اس کا کوئی تعلق نہیں"۔ (مقدمہ ابن الصلاح' صفحہ ۱۱۰) (نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر' صفحہ ۹۸۔۹۹)

☆ اور مختار یہ ہے کہ اگر اپنی بدعت کی طرف داری ہو اور اس کی ترویج کرے تو قبول نہ کریں ورنہ قبول کریں لیکن جب کہ ایسی روایت کرے جو اس کی بدعت کو قوت دے تو اس تقدیر پر مردود ہے اور اہلِ بدعت و اَھوا اور اربابِ مذاہبِ زائغہ سے حدیث لینے میں علمائے حدیث مختلف ہیں۔ اور "جامع الاصول" میں کہا ہے کہ ائمہ حدیث میں سے ایک جماعت نے فرقہ خوارج اور ایسے لوگوں سے جو قدر اور تشیع اور رفض کے ساتھ منسوب ہیں اور دوسرے اصحاب بدعت و اھوا سے حدیث لی ہے اور دوسری جماعت نے ان لوگوں سے حدیث لینے میں احتیاط کی ہے اور ہر ایک کی ایک نیت ہے اور بے شک صدق و صواب کی تحری کر کے ان فرقوں سے حدیث لی ہوگی اور باوجود اس کے بھی احتیاط نہ لینے میں ہے' اس لیے کہ ثابت ہو گیا ہے کہ ان لوگوں نے اپنے مذہب کی ترویج کے لیے حدیثیں وضع کی ہیں اور توبہ اور رجوع کے بعد اس کا اقرار بھی کیا ہے۔ واللہ اعلم!

¹ بدعتی کی روایت کردہ حدیث کا کوئی مستقل نام نہیں ہے' تاہم اس کو حدیثِ مردود کی اقسام میں ←

## وجوہ طعن جو ضبط کے متعلق ہیں

## پانچ ہیں:

شمار کیا جاتا ہے۔

امام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

''بدعت دو اقسام میں منقسم ہے:

(۱) بدعت مکفرہ (۲) بدعت مفسقہ

بدعت مکفرہ کے مرتکب کی حدیث کو جمہور محدثین قبول نہیں کرتے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کی روایت مطلقاً قبول ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اگر وہ اپنے مذہب کی تائید کیلئے کذب کو جائز نہیں اعتقاد کرتا تو اس کی روایت مقبول ہے ورنہ نہیں اور تحقیق یہ ہے کہ ہر بدعت مکفرہ کے مرتکب کی حدیث مردود نہیں ہوتی' کیونکہ ہر گروہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کا مخالف بدعتی ہے اور کبھی مبالغہ کر کے اپنے مخالف کی تکفیر کرتا ہے' اگر اس قول کا مطلقاً اعتبار کر لیا جائے تو تمام فرقوں کی تکفیر لازم آئے گی' اس لیے معتمد بات یہ ہے کہ جو شخص کسی ایسے امر متواتر کا انکار کرے جس کا دین سے ہونا بداہۃً معلوم ہو (جیسے پانچ نمازیں اور ماہِ رمضان کے روزے) اس کی روایت مردود ہوگی' جو کسی ایسے امر کا اعتقاد رکھے جس کے متعلق بداہۃً معلوم ہو کہ یہ دین کے مخالف ہے (جیسے بت پرستی) اور جو اس طرح نہ ہو اور اس کا حفظ اور ضبط تام ہو اور اس کے ساتھ ساتھ وہ متقی اور پرہیزگاری بھی ہو' اس کی حدیث قبول کرنے سے کوئی مانع نہیں ہے۔

بدعت مفسقہ وہ ہے جس کے ارتکاب پر مطلقاً تکفیر نہیں کی جاتی' اس کے ردّ اور قبول میں بھی اختلاف ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس کی روایت مطلقاً مردود ہے اور یہ بہت بعید ہے' اس پر یہ دلیل دی جاتی ہے کہ اس کی روایت کو قبول کرنے سے اس کے طریقہ کی ترویج ہوگی اور اس کی تعظیم ہوگی۔ اس دلیل پر یہ اعتراض ہے کہ پھر بدعتی کی اس روایت کو بھی نہیں قبول کرنا چاہیے جس کو روایت کرنے میں کوئی غیر بدعتی بھی شریک ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اگر وہ کذب کے حلال ہونے کا اعتقاد نہیں رکھتا تو اس کی روایت مطلقاً قبول ہے اور ایک قول یہ ہے کہ ←

(۱) فرطِ غفلت (۲) کثرتِ غلط (۳) مخالفتِ ثقات

(۴) وہم (۵) سوئے حفظ

اگر اس کی روایت اس کی بدعت کی تائید نہیں کرتی تو اس کی روایت مقبول ہوگی' کیونکہ اپنی بدعت کو مزین کرنے کے لیے ہوسکتا ہے وہ روایات میں تحریف کرے اور یہی زیادہ صحیح قول ہے اور اکثر ائمہ کا یہی قول ہے اور جو روایت اس کے مذہب کو تقویت پہنچاتی ہو اس کو مذہب مختار پر مسترد کر دیا جائے گا۔ امام ابوداؤد کے شیخ حافظ ابواسحاق ابراہیم بن یعقوب جوز جانی اور امام نسائی نے اس کی تصریح کی ہے''۔ (نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر' صفحہ ۷۲۔۷۳)

**بدعت مکفرہ کا بیان:** علامہ نووی نے شرح المہذب میں لکھا ہے:

''اللہ تعالیٰ کو مجسم ماننا' یا اللہ تعالیٰ کے علم الجزئیات کا انکار کرنا' یا قرآن مجید کو مخلوق ماننا کفر ہے۔ میں کہتا ہوں کہ قرآن مجید کو محرف ماننا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر قذف لگانا' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا انکار کرنا' چار کے سوا باقی تمام صحابہ کو مرتد ماننا' رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی ظلّی یا اُمّی نبی کی بعثت کا قائل ہونا' رسول اللہ ﷺ کی اہانت کرنا اور شریعتِ اسلامیہ کا مذاق اُڑانا مثلاً اسلامی حدود پر پھبتیاں کسنا بھی صریح اور غیر مؤول کفر ہے۔

**روافض کی روایت کا بیان:** صحیح یہ ہے کہ رافضیوں اور سَلف پر سبّ وشتم کرنے والوں کی روایت مقبول نہیں ہے' کیونکہ مسلمان کو سبّ وشتم کرنا فسق ہے تو صحابہ کو سبّ وشتم کرنا بہ طریقِ اولیٰ فسق ہے' علامہ ذہبی نے میزان میں لکھا ہے: بدعت کی دو قسمیں ہیں' بدعتِ صغریٰ مثلاً تشیع بلا غلو ہو' یا غلو کے ساتھ ہو' مثلاً جو شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف جنگ کرنے والوں کے حق میں کلام کرے۔ اور یہ تشیع باوجود تقویٰ اور پرہیزگاری کے بہ کثرت تابعین اور تبع تابعین میں تھا۔ اور اس میں غلو کرنا اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا مرتبہ کم کرنا اور اس کی طرف دعوت دینا' سو ایسے لوگوں کی روایت قبول نہیں ہے' اس قسم میں لوگوں میں کوئی صادق اور امین نہیں ہے بلکہ ان کا شعار کذب اور تقیہ ہے اور ان کی علامت نفاق ہے۔ اور ایک دوسرے مقام پر علامہ ذہبی نے لکھا ہے: روافض کی روایت کے متعلق ←

## فرطِ غفلت و کثرتِ غلط

یہ دونوں ایک دوسرے کے قریب قریب ہیں اور فرق یہ ہے کہ غفلت حدیث کے سننے اور تحمل کرنے میں مراد ہے اور کثرت غلط اُس کے سنانے اور ادا کرنے میں۔[1]

---

تین قول ہیں: (۱) مطلقاً منع ہے (۲) کذاب اور وضاع کے علاوہ مطلقاً رخصت ہے (۳) جو حدیث کی معرفت رکھتا ہو اس کے لیے جائز ہے۔ امام مالک نے کہا: روافض سے کلام کرو نہ ان کی روایت قبول کرو۔ امام شافعی نے کہا: میں نے روافض سے زیادہ کسی کو جھوٹ کی گواہی دیتے ہوئے نہیں دیکھا۔ یزید بن ہارون نے کہا: رافضیوں کے سوا ہر بدعتی کی روایت لکھ لی جائے"۔ (تدریب الراوی للسیوطی جلد ا صفحہ ۳۲۶)

فسق سے تائب کی روایت کا بیان: رسول اللہ ﷺ کی حدیث میں وضاع کے علاوہ ہر فسق سے توبہ کرنے والے کی روایت مقبول ہے۔ امام احمد بن حنبل، امام حمیدی اور شیخ بخاری کا یہی قول ہے۔ صیرفی نے کہا: جس شخص کی حدیث کو کذب کی وجہ سے ساقط کر دیں، ہم اس کی توبہ قبول نہیں کرتے اور جس کو ہم ضعیف قرار دے دیں اس کی قوی نہیں کہتے، یہ خلاف شہادت کے۔ سمعانی نے کہا: جس کو ہم ایک حدیث میں کاذب قرار دے دیں، اس کی اس سے پہلے کی تمام روایات کو ساقط کرنا واجب ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ قول ہمارے اور دیگر ائمہ مذاہب کے قاعدہ کے خلاف ہے۔ (تقریب الراوی مع التدریب، جلد ا صفحہ ۳۲۹)

[1] علماءِ اصول کے نزدیک مغفل وہ راوی ہے جو روایت کو حفظ کرنے میں لاپروائی کرے، اسے بیان کرتے وقت لاپرواہی کرے یا نسیان کا شکار ہو جائے اور کثرت سے غلطیاں کرتا ہو، اس شخص کے لیے اکثر علماء کا مشورہ یہ ہے کہ اُسے روایت ترک کر دینی چاہیے لیکن اگر وہ حفظ کی کوشش کرتا ہے اور طویل حدیثیں حفظ نہیں کر سکتا مگر مختصر حفظ کر لیتا ہے تو اس کی مختصر روایات کو قبول کیا جائے مگر طویل روایات قبول نہیں کی جائیں گی۔ (المحصول للرازی، جلد ۲ صفحہ ۵۹۳)

علماءِ اصول کے نزدیک غفلت سے مراد شدید غفلت ہے کیوں کہ عام غفلت سے ←

## مخالفت ثقات

یہ ہے کہ اسناد یا متن میں ثقات کا خلاف ہو اور یہ چند طرح ہوتا ہے اور مخالفت ثقات اگرچہ حدیث کے شاذ ہونے کا موجب ہے مگر وجوہِ طعن متعلق بہ ضبط میں اس وجہ سے معتبر ہے کہ ضبط اور حفظ نہ ہونا اور تغییر اور تبدیل سے محفوظ نہ رہنا مخالفت ثقات کا باعث ہوگا۔[1]

---

کوئی انسان محفوظ رہ سکتا ہے' اس لیے ایسا راوی جو کبھی کبھی غفلت کا شکار ہو جائے وہ مغفل شعار نہ ہوگا۔ لیکن اگر وہ حدیث روایت کرے اور بعد میں اکثر بھول جائے کہ آیا اس نے یہ حدیث روایت کی تھی یا نہیں تو اس کی حدیث جمہور کے نزدیک مقبول نہیں اور منقطع ہے' اگر کبھی کبھی اس پر یہ حالت طاری ہو تو پھر اس کی روایت رد نہیں کی جائے گی اور اس کی حدیث مسند شمار ہوگی۔ ابن حاجب کے نزدیک راوی کے حافظہ کو نسیان پر فوقیت ہونی چاہیے لیکن اگر حافظہ اور نسیان دونوں کی شرح برابر ہے یا نسیان کو فوقیت ہے تو مؤخر الذکر دونوں صورتوں میں حدیث منقطع شمار ہوگی۔ (شرح مختصر ابن الحاجب' جلد ۲ صفحہ ۶۳)

[1] مخالفت ثقات سے مراد راوی کا ثقہ راویوں سے مخالفت کرنا ہے' جس کی پانچ قسمیں ہیں:

(۱) مدرج (۲) مقلوب (۳) المزید فی متصل الاسانید
(۴) مضطرب (۵) مصحف ومحرف

(۱) مدرج: اصطلاح میں وہ روایت مدرج کہلاتی ہے جس کی سند یا متن میں راوی ایسا اضافہ کرے جسے سننے والا حدیث کا جز وتصور کرے۔ (اختصار علوم الحدیث' ص ۷۹)

(۲) مقلوب: اصطلاح میں مقلوب اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں کسی راوی نے متن حدیث کا لفظ یا سند میں کسی راوی کا نام ونسب بدل دیا ہو یا مقدم کو مؤخر اور مؤخر کو مقدم کیا ہو' کسی ایک چیز کو دوسری کی جگہ رکھ دیا ہو۔ (اختصار علوم الحدیث' صفحہ ۹۲)

(۳) المزید فی متصل الاسانید: لغت میں المزید کے معنی ہیں: ''زیادہ کیا ہوا'' اور متصل کے معنی ہیں: پیوست کیا ہوا'' اور ''الاسانید'' سند کی جمع ہے یعنی متصل اسانید میں جس کو ←

وہم

یہ ہے کہ راوی وہم و نسیان کی وجہ سے خطا کر کے روایت اپنے توہم پر زائد کیا جائے۔

اصطلاح میں وہ حدیث جس کی متصل سند میں کسی راوی نے وہم کی وجہ سے اضافہ کیا ہو۔ (نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر' صفحہ ۸۸)

ایسی روایت وہم کی بناء پر مردود ہوتی ہے بشرط یہ کہ اضافہ نہ کرنے والا اضافہ کرنے والے سے اتقان و پختگی میں فائق و اعلیٰ ہو نیز اضافہ کی جگہ میں دوسرے طریق میں راوی سے سماع کی تصریح کی ہو' اگر دونوں میں ایک یا دونوں موجود نہ ہوں تو اضافہ راجح اور مقبول ہوگا اور جو سند اس اضافہ سے خالی ہو' وہ منقطع قرار پائے گی' لیکن اس کا انقطاع خفی ہوگا اور اس کو مرسل خفی کہتے ہیں۔ (اختصار علوم الحدیث' صفحہ ۱۷۰)

(۴) مضطرب: ''اِضْطَـرَبَ الْـمَوْجُ'' سے ماخوذ ہے جس کے معنی موجوں کی کثرت اور تھپیڑوں کے چلنے کے ہیں' مصطلح الحدیث میں اضطراب کا مطلب یہ ہے کہ کسی حدیث کی ر وایت میں راویوں کا اختلاف واقع ہو جائے اور یہ چیز حدیث کو ضعیف بنا دیتی ہے' اگر راویوں کا اختلاف سند میں ہو تو اضطراب فی الاسناد کہلاتا ہے اور اگر اضطراب متن میں ہو تو اضطراب فی المتن کہلاتا ہے' اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اضطراب کو رفع کیا جا سکتا ہو تو رفع ہونے کے بعد حدیث مضطرب صحیح ہو جاتی ہے اور اگر اضطراب رفع نہ ہو سکے تو حدیث ضعیف و ناقابلِ استدلال ہوتی ہے۔

شروط تحقق اضطراب: (۱) اختلاف ایسا شدید ہو کہ اُن کے مابین موافقت و تطبیق ناممکن ہو۔

(۲) قوت اور رتبہ میں مساوات و برابری ایسی ہو کہ کسی ایک کی دوسری پر ترجیح ممکن نہ ہو۔

پھر اضطراب کو رفع کرنے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

(۱) ایک یہ کہ روایتوں میں تطبیق دی جائے۔

(۲) اور دوسرے یہ کہ کسی ایک روایت کو صحیح یا راجح قرار دے کر باقی روایتوں کو غلط یا←

کرے۔[1]

## مُعَلَّل

وہ ہے جس میں راوی کے توہم پر قرائن دالہ سے اطلاع ہو جائے اور یہ علومِ حدیث میں سے بہت سخت اور دشوار ہے اور اس کو وہی دریافت کر سکتا ہے جو مراتبِ رواۃ اور احوالِ اسانید اور متون میں متقدمین کی طرح فہم ثابت اور حفظ واسع اور معرفت رکھتا ہو☆۔[2]

---

مرجوح قرار دے دیا جائے۔ اضطراب کی صورت میں کسی ایک روایت کو اس کے راوی کے احفظ ہونے یا مروی عنہ (جس سے روایت نقل کرتا ہے) کے ساتھ زیادہ طویل صحبت رکھنے کی بناء پر ترجیح دے دی جائے تو اضطراب رفع ہو جاتا ہے۔ (مقدمہ ابن الصلاح، صفحہ ۱۲۴)

مصحف ومحرف: تصحیف وتحریف سے ماخوذ ہے جس کے معنی پڑھنے اور لکھنے میں غلطی کرنے کے ہیں۔ اصطلاح میں ایسی حدیث ہے جس میں سند اور متن دونوں کی صورت تو بدستور باقی رہے گی مگر ایک یا چند حرف بدل جانے کی وجہ سے ثقہ کے ساتھ مخالفت ہو جائے، پھر اگر حرف کا تبدل صرف نقطوں کے ذریعے ہو تو وہ مصحف ہوگی، جیسے حدیث ''ن صام رمضان وأتبعه ستًا من شوال'' شوال کے بعض راویوں نے ''شيئًا من شوال'' سے تصحیف کر دی۔ اور اگر ایک حرف کی دوسرے حرف سے شکل بدل گئی ہے تو محرف ہے، جیسے عاصم الاحول کی تحریف عاصم الاحدب سے۔ (نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر، صفحہ ۹۲)

1. ضبط میں طعن کی وجوہ میں سے ایک وہم ونسیان ہے، راوی روایتِ حدیث کے وقت وہم میں مبتلا اور خطا کا شکار ہو جاتا ہے اور اگر اس کے وہم وخطاء پر دلالت کرنے اور قرائن کے ذریعے اطلاع ہو جائے۔ (مقدمہ مشکوٰۃ، صفحہ ۳۳)

☆ کہتے ہیں کہ دارقطنی کے بعد اس کی مثل اس کام میں نہیں پایا گیا۔۱۲

←

2. امام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

## سُوئے حفظ

سے یہ مراد ہے کہ خطا اور نسیان غالب ہو' صواب اور ایقان سے۔ اگر سوئے حفظ کسی کو تمام عمر لازم رہی ہے' اُس کی حدیث معتبر نہ ہوگی۔ اور بعضے محدثین میں اسے اس کو شاذ کہتے ہیں۔[1]

''اگر قرائن سے راوی کے اس وہم پر اطلاع ہو جائے کہ وہ مرسل یا منقطع کو موصول قرار دیتا ہے یا ایک حدیث کو دوسری حدیث میں داخل کر دیتا ہے' یا اور اسی قسم کے اوہام جو حدیث میں طعن کا موجب ہیں اور اس کی معرفت تب ہوتی ہے جب اس حدیث کی تمام اسناد پر عبور حاصل کر لیا جائے تو یہ حدیث معلل ہے۔

حدیث معلل کی معرفت علمِ حدیث میں انتہائی غامض اور دقیق ہے جب تک کسی شخص کو علمِ حدیث میں قوی ملکہ حاصل نہ ہو' اس کی حدیث معلل کی پہچان نہیں ہوسکتی' اسی وجہ سے بہت کم ائمہ نے حدیث معلل کی تحقیق کی ہے' مثلاً امام علی بن مدینی' امام احمد بن حنبل' امام بخاری' امام یعقوب بن ابی شیبہ' امام حاتم' امام ابوزرعہ' امام دارقطنی۔ (نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر' صفحہ ۶۱)

امام نووی فرماتے ہیں کہ حدیث معلل کا اطلاق کبھی اس تعریف مذکور کے غیر پر بھی کیا جاتا ہے' مثلاً راوی کے کذب' اس کی غفلت اس کے بد حافظہ وغیرہ پر جو ضعفِ حدیث کے اسباب ہیں اور امام ترمذی نے فتح کو بھی علت لکھا ہے اور بعض ائمہ نے ایسی مخالفت پر بھی علت کا اطلاق کیا ہے جو وجہ طعن نہیں ہے۔ مثلاً ثقہ اور ضابطہ راوی جس حدیث کو موصولاً بیان کرے' اس کو مرسلاً بیان کرنا حتیٰ کہ بعض نے کہا: بعض صحیح حدیث معلل ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے: بعض صحیح حدیث شاذ ہیں''۔ (تدریب الراوی جلد ا صفحہ ۲۵۷۔۲۵۸)

[1] سوئے حفظ سے مراد وہ شخص ہے جس کی صحت خطاء پر راجح نہ ہو' ایک وہ ہے کہ اس کا بد حافظہ ہونا تمام حالات میں اس کو لازم ہو' اس کی حدیث شاذ ہوتی ہے' دوسری قسم یہ ہے کہ حافظہ کی خرابی اس کو بعد میں عارضی ہوئی ہو' اس کے بوڑھے ہونے کے بعد یا اس کی بینائی چلی جانے کے بعد' یا اس کی کتابیں جل جانے کے بعد کیونکہ وہ ان کتابوں پر اعتماد کرتا تھا ←

## مُخْتَلَط

وہ حدیث ☆ ہے جس کے راوی کو بڑھاپے کی وجہ سے سوئے حفظ عارض ہو یا وہ نابینا ہو جائے یا کتابیں جاتی رہیں۔[1]

## حدیث غریب و فرد

اگر حدیث صحیح کو ایک راوی روایت کرے تو وہ غریب اور فرد ہے حتیٰ کہ اگر تمام اسناد میں دو دو راوی ہوں مگر ایک جگہ ایک رہ جائے تو بھی غریب ہے' مگر اس

---

اور پھر اپنے حافظہ پر اعتماد کرنے لگا' اس راوی کو مختلط کہتے ہیں' اس کا حکم یہ ہے کہ اگر یہ تمیز ہو جائے کہ فلاں روایت اس کے اختلاط سے پہلے کی ہے تو وہ مقبول ہو گی اور اگر تمیز نہ وہ سکے تو اس کی روایت موقوف ہو گی' اس طرح جس کا معاملہ مشتبہ ہو' اس کی روایت بھی موقوف ہو گی' جب بدحافظہ' مختلط غیر متمیز' مستور اور مدلّس کی روایت کا کوئی معتبر متابع مل جائے تو متابع اور متابع کے مجموع سے وہ حدیث حسن لغیرہ ہو جاتی ہے کیونکہ بدحافظ اور مختلط وغیرہ میں سے ہر ایک کی روایت صواب اور غیر صواب کا احتمال رکھتی ہے اور جب معتبرین میں سے کوئی روایت ان کے موافق مل جائے تو اس کے صواب کی جانب کو ترجیح ہو جاتی ہے اور یہ اس پر دلیل ہے کہ وہ حدیث محفوظ ہے اور وہ توقف کے درجہ سے ترقی کر کے قبولیت کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے' اس کے باوجود وہ حدیث حسن لذاتہٖ کے درجہ سے کم ہوتی ہے۔

(نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر' صفحہ 70 تا 74)

☆ اور اگر اختلاط سے پہلے کی حدیثیں اُس کے بعد کی حدیثوں سے متمیز اور جدا ہوں تو قبول کی جائیں گی ورنہ توقف کیا جائے گا اور اگر ایسی حدیثوں کے توابع اور شواہد پیدا ہوں تو یہ مرتبہ توقف سے ترقی کر کے مرتبہ قبول اور رجحان تک پہنچیں گے اور احادیث مستور اور مدلس اور مرسل کا بھی یہی حکم ہے۔۱۲

[1] حدیث مختلط کا حکم ووضاحت (سوئے حفظ) کے تحت تفصیلاً بیان کیا جا چکا ہے۔

کو فرد نسبی کہتے ہیں☆ اور اگر ہر جگہ میں ایک ہو تو اس کو فرد مطلق کہتے ہیں۔[۱]

☆ یہاں سے معلوم ہوا کہ غرابت صحت کی منافی نہیں اور حدیث غریب صحیح ہو سکتی ہے اگر ہر جگہ اُس کے راوی ثقہ ہوں۔۱۲

[۱] امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''غریب اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند میں کسی جگہ بھی راوی اس روایت میں متفرد ہو''۔ (نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر، صفحہ ۱۶)

ملا علی قاری فرماتے ہیں:

''غریب کی دو قسمیں ہیں: فرد مطلق اور فرد نسبی۔ اگر اصل سند میں تفرد ہو تو اس کو فرد مطلق کہتے ہیں، اصل سند سے مراد یہ ہے کہ سند کے اوّل میں تفرد ہو، مثلاً صحابی سے صرف ایک تابعی روایت کرے، اس کی مثال یہ ہے کہ نبی ﷺ نے ولاء کی بیع اور ہبہ سے منع فرمایا ہے۔ اس کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے اور ان سے اس کی روایت میں عبداللہ بن دینار متفرد ہے۔ اور کبھی اس متفرد سے پھر ایک راوی متفرد ہوتا ہے، مثلاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایمان کے ستر سے زیادہ حصے ہیں اور افضل حصہ لا الٰہ الا اللہ کہنا ہے، الحدیث۔ اس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے باوصالح تابعی متفرد ہے اور ابوصالح سے عبداللہ بن دینار متفرد ہے اور کبھی یہ متفرد و تمام راویوں میں مستمر رہتا ہے۔ مسند بزار اور طبرانی کے معجم اوسط میں اس کی بہت مثالیں ہیں۔

غریب کی دوسری قسم فرد نسبی ہے، اس میں اثناء سند میں تفرد ہوتا ہے، اس کو غریب نسبی اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں شخص واحد کے اعتبار سے تفرد ہوتا ہے، اگرچہ وہ حدیث فی نفسہٖ مشہور ہوتی ہے، مثلاً امام مالک از نافع از ابن عمر ایک حدیث روایت کرتے ہیں پھر کوئی راوی امام مالک سے اس حدیث کو روایت کرتا ہے اور امام مالک سے روایت کرنے والے راوی کی کوئی اور راوی متابعت نہیں کرتا اور نافع سے راویوں کی ایک جماعت روایت کرتی ہے تو یہ حدیث امام مالک سے روایت کے اعتبار سے فرد ہے، اگرچہ فی نفسہٖ مشہور ہے، فرد کا اکثر اطلاق فرد مطلق پر ہوتا ہے اور غریب کا اکثر اطلاق فرد نسبی پر ہوتا ہے''۔ (شرح شرح نخبۃ الفکر للقاری، صفحہ ۴۹، ۵۰)

## عزیز

وہ صحیح حدیث ہے کہ جس کو دو راوی روایت کریں اور تمام اسناد میں کہیں دو سے کم نہ ہوں۔[1]

## مشہور

وہ صحیح حدیث ہے جس کو دو سے زیادہ راوی روایت کریں اور اسی کو مستفیض بھی کہتے ہیں۔[2]

---

1. عزیز کا لغوی معنی ہے: کمیاب' حدیث عزیز کو عزیز اس لیے کہتے ہیں کہ اس کا وجود نادر ہے۔
حافظ ابن حجر عسقلانی نے حدیث عزیز کی یہ تعریف کی ہے:
''حدیث عزیز وہ ہے جس میں سند کے کسی طبقہ میں دو سے کم راوی نہ ہو' اس کی مثال یہ حدیث ہے جس کو امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک اس کے نزدیک میں اس کے والد اور اولاد سے زیادہ محبوب نہ ہوں''۔ اس حدیث کو حضرت انس سے قتادہ اور عبدالعزیز بن صہیب نے روایت کی ا ہے اور قتادہ سے شعبہ اور سعید نے روایت کیا ہے اور عبدالعزیز سے اسماعیل بن علیہ اور عبدالوارث نے روایت کیا ہے اور اسی طرح ہر راوی سے ایک جماعت نے اس حدیث کو روایت کیا ہے''۔ (نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر' صفحہ ۱۵)

2. امام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:
''حدیث مشہور ایک رائے کے مطابق حدیث مستفیض ہے اور بعض ائمہ نے فرق کیا ہے کہ مستفیض وہ حدیث ہے جس کی ابتداء اور انتہاء میں کثرتِ طرق برابر ہوں اور حدیث مشہور اس سے عام ہے''۔ (نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر' صفحہ ۱۴)
نیز امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں:
''مشہور وہ حدیث ہے جو دو سے زائد سندوں سے مروی ہو اور حد تواتر سے کم ہو' ←

## مُتَوَاتِر

وہ حدیث ہے جس کے راویوں کی کثرت اس درجہ کو پہنچ گئی ہو کہ عادت اُن کے جھوٹ پر متفق ہونے کو محال جانے۔[1]

کبھی اس حدیث کو بھی مشہور کہا جاتا ہے جو لوگوں کی زبانوں پر مشہور ہو خواہ اس کی ایک سند ہو یا ایک سند بھی نہ ہو، یہ لغوی مشہور ہے اور اصطلاحی حدیث مشہور کی مثال یہ ہے: ''اللہ تعالیٰ بندوں کے سینوں سے نکال کر علم کو نہیں اُٹھائے گا اور یہ حدیث: ''جو شخص جمعہ کے لیے آئے وہ غسل کرے اور حاکم اور ابن صلاح نے اس کی یہ مثال دی ہے: ''اعمال کا مدار نیات پر ہے'' یہ تینوں صحیح حدیثیں ہیں اور ''علم کا طلب کرنا ہر مسلم پر فرض ہے'' یہ حدیث ضعیف ہے''۔

(تدریب الراوی للسیوطی جلد۲ صفحہ۱۷۳)

[1] متواتر اس حدیث کو کہتے ہیں جس کو ایک ایسی جماعت روایت کرتی ہو، جس کا جھوٹ پر متفق ہونا عقلاً و عادۃً محال ہو، اور وہ جماعت جس دوسری جماعت سے روایت کرتی ہو، وہ بھی اسی طرح کی ہو اور یہ وصف سند کے آغاز، وسط اور آخر میں موجود ہے۔

(نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر، صفحہ۶)

حدیث متواتر کی تعریف میں قول راجح یہ ہے کہ جماعت کی تعدادِ معین کرنے کے بجائے یہ کہا جائے کہ عقل ان کے جھوٹ پر جمع ہونے کو محال تصور کرتی ہو۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''صحیح قول کے مطابق عدد متعین کرنے کا کوئی مقصد نہیں ہے''۔

(نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر، صفحہ۶)

حدیث متواتر کی دو قسمیں ہیں: (۱) متواتر لفظی (۲) متواتر معنوی۔

(علوم الحدیث، صفحہ۱۸۳)

متواتر لفظی: متواتر لفظی وہ ہے جس کے الفاظ اور معانی متواتر ہوں، اور متواتر معنوی وہ ہے جس کے صرف معانی متواتر ہوں، الفاظِ متواتر نہ ہوں، خبر متواتر لفظی کی مثال ←

## حدیث ضعیف

### وہ ہے جس میں وہ شرطیں نہ پائی جائیں کہ جو صحت اور حسن میں معتبر ہیں

صرف یہ ایک حدیث ہے جس کو بہت سے محدثین نے بہ کثرت صحابہ سے روایت کیا ہے۔
امام بخاری روایت کرتے ہیں: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے عمداً مجھ پر جھوٹ باندھا وہ اپنے بیٹھنے کا ٹھکانا دوزخ میں بنا لے''۔

اس حدیث کو صحابہ کرام کے ایک جم غفیر نے روایت کیا ہے' صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بھی یہ حدیث صحابہ کرام کی ایک جماعت سے مروی ہے۔ حافظ ابوبکر بزار نے اپنی مسند میں لکھا ہے کہ اس حدیث کو چالیس صحابہ نے روایت کیا ہے اور بعض حفاظ نے لکھا ہے: اس کو ستر سے زیادہ صحابہ نے روایت کیا ہے جن میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں اور اس حدیث کے علاوہ دنیا میں اور کوئی حدیث نہیں ہے جس کو تمام عشرہ مبشرہ نے روایت کیا ہو۔ اور اس ایک حدیث کے علاوہ کوئی اور حدیث ایسی نہیں ہے جس کو ساٹھ صحابہ سے زیادہ نے روایت کیا ہو۔ (حافظ ابن صلاح لکھتے ہیں:) میں کہتا ہوں کہ بعض محدثین نے اس کا عدد اس سے بھی زیادہ بیان کیا ہے اور دن بہ دن اس کے راوی بڑھ رہے ہیں۔

(مقدمہ ابن الصلاح' صفحہ ۲۴۲-۲۴۳)

متواتر معنوی: امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
''معنیً متواتر احادیث بہ کثرت ہیں' ان میں سے حوض کے متعلق حدیث ہے جو پچاس صحابہ سے مروی ہے' موزوں پر مسح کی حدیث ستر صحابہ سے مروی ہے' نماز میں رفع یدین کرنے کی حدیث پچاس صحابہ سے مروی ہے: ''اللہ اس کو تروتازہ رکھے جس نے میری حدیث سنی'' یہ تقریباً تیس صحابہ سے مروی ہے اور ''قرآن مجید سات حرفوں پر نازل ہوا'' یہ حدیث ستائیس صحابہ سے مروی ہے'' ''جس نے اللہ کے لیے مسجد بنائی' اللہ اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا'' یہ حدیث بیس صحابہ سے مروی ہے۔
اسی طرح ''ہر نشہ آور چیز حرام ہے''۔ ''اسلام ابتداء میں اجنبی تھا''۔ ''منکر و نکیر کا سوال'' ←

خواہ ایک شرط مفقود ہو یا زیادہ ☆ اور اُس کا راوی شذوذ یا نکارت یا علت کے ساتھ موسوم ہو اور اس اعتبار پر اقسام حدیث کے افراداً اور ترکیباً متکثر ہو جاتے ہیں۔ [1]

---

اور بہت سی احادیث معنیً متواتر ہیں''۔ (تدریب الراوی للسیوطی' جلد۲ صفحہ ۱۸۰)

☆ اور ان صفات کے درجات کے تفاوت سے باوجود اصل صحت اور حسن میں مشترک ہونے کے بھی صحیح لذاتہٖ اور لغیرہٖ اور حسن لذاتہٖ اور لغیرہٖ کے مراتب متفاوت ہوتے ہیں اور اس قوم نے صحت کے مراتب کو ضبط کیا ہے اور ان کو معین کر دیا ہے اور ان کی مثالیں اسانید سے ذکر کی ہیں اور کہا ہے کہ اسم عدالت و ضبط اس کے کل رجال کو شامل ہے' لیکن بعض کو بعض پر فوق ہے لیکن علی الاطلاق کسی خاص سند پر اصح الاسانید کا اطلاق کرنے میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ اصح الاسانید زین العابدین عن ابیه عن جده ہے اور بعضوں کے نزدیک مالك عن نافع عن ابن عمر اور بعضوں کے نزدیک زھری عن سالم عن ابن عمر اور حق یہ ہے کہ کسی مخصوص سند پر علی الاطلاق اصحیت کا حکم نہیں کر سکتے' مگر صحت میں مراتب علیا ہیں اور چند اسنادیں ان میں داخل ہیں اور اگر کسی قید کے ساتھ مقید کریں تو درست ہے مثلاً کہہ دیں کہ اصح اسانید فلاں شہر میں یا فلاں باب میں یا فلاں مسئلہ میں۔

واللہ اعلم!

[1] حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں:

''ہر وہ حدیث جس میں حدیث صحیح اور حدیث حسن کی ایک یا ایک سے زائد صفات نہ ہوں وہ حدیث ضعیف ہے۔ علامہ ابو حاتم بن حبان بستی نے اس کی اُنچاس اقسام بیان کی ہیں۔ (الی قولہ) حدیث ضعیف کی اقسام میں سے جو مشہور ہیں اور ان کا معروف نام ہے' وہ یہ ہیں: موضوع' مقلوب' شاذ' معلل' مضطرب' مرسل' منقطع اور معضل''۔

(مقدمہ ابن الصلاح' صفحہ ۳۷۔۳۸)

## تنبیہ

ترمذی[1] کی عادت ہے کہ وہ اپنی ''جامع''[2] میں کہہ دیتا ہے: حدیث حسن صحیح اور حدیث غریب حسن اور حدیث حسن غریب صحیح۔ حسن وصحت کے اجتماع میں تو کوئی اشکال ہی نہیں کہ حسن لذاتہٖ اور صحیح لغیرہٖ اریاسی ہی غرابت اور صحت کا اجتماع ہوسکتا ہے جیسا کہ مذکور ہو چکا لیکن غریب اور حسن کے اجتماع میں یہ اشکال ہے کہ ترمذی نے حسن میں تعددِ طرق کا اعتبار کیا ہے اور یہ غربت کے منافی ہے۔

اس کا جواب ☆ یہ ہے کہ ترمذی کے نزدیک تعدد طرق کا اعتبار علی الاطلاق نہیں بلکہ اُس کی ایک قسم میں ہے اور جہاں حسن کو غریب کے ساتھ جمع کیا ہے'

---

[1] آپ کا اسم گرامی محمد' کنیت ابوعیسیٰ' سلسلۂ نسب یہ ہے کہ محمد بن عیسیٰ بن سدرہ بن ضحاک سلمٰی ترمذی۔ آپ کی ولادت مشہور قول کے مطابق شہر ترمذی میں ۲۰۹ھ میں ہوئی' یہ شہر نہر جیحون کے ساحل پر آباد ہے۔ اسے مدینۃ الرجال بھی کہا گیا ہے' کیوں کہ اس خاک سے بڑے بڑے علماء وفضلاء پیدا ہوئے۔ امام ترمذی کے دادا سورہ مروز کے باشندے تھے۔ لیث بن سیار کے زمانہ میں ترمذ آ کر آباد ہو گئے۔ آپ کا وصال ۱۳ر جب الرجب ۲۷۹ھ کو بمقام ترمذ ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔ (ابن خلکان' جلد ۲ صفحہ ۳۸۳)

[2] اہلِ علم نے امام ترمذی کی جامع کے متعلق تصریح فرمائی ہے:

''من کان فی بیته هذا الکتاب فکانما فی بیته نبی''۔

''یعنی جس گھر میں یہ کتاب موجود ہو' گویا اس کے گھر میں نبی ﷺ موجود ہیں''۔

(تذکرۃ الحفاظ' جلد ۲ صفحہ ۲۰۸)

☆ بعضوں نے کہا ہے کہ ترمذی نے غریب اور حسن کے جمع کرنے سے اختلاف طرق کی طرف اشارہ کیا ہے کہ بعض میں غریب ہے اور بعض میں حسن یا واؤ بہ معنٰی ''او'' کے ہے۔ یعنی ترمذی کو اس کے غریب یا حسن ہونے میں تردد اور شک ہے۔ اور یہ قول بہت بعید ہے کہ بیانِ حسن سے معنٰی اصطلاحی مراد نہیں بلکہ ''مَا یَمِیْلُ اِلَیْهِ الطَّبْعُ'' مراد ہے۔۱۲

دوسری قسم مراد ہے۔[1]

❖❖❖❖❖

احکام میں خبر صحیح لذاتہ[2] سے حجت پکڑنا مجمع علیہ ہے اور ایسے ہی حسن لذاتہ سے اکثر علماء کے نزدیک اور یہ حجت پکڑنے میں صحیح کے ساتھ ملحق ہے اگرچہ رتبہ میں کم ہے اور چوں کہ تعددِ طرق سے ضعیف حدیث بھی حسن کے مرتبہ کو پہنچتی ہے اس لیے وہ بھی محتج بہ ہے۔[3]

اور یہ جو مشہور ہے کہ ضعیف حدیث فضائل اعمال ہی میں مقبول ہے[4] نہ ان

---

[1] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: (مقدمہ مشکوٰۃ' صفحہ ۳۹)

[2] حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

''اور خبر واحد جب عادل اور کامل الضبط راویوں سے مروی ہو' اس کی سند متصل ہو اور معلل و شاذ ہونے سے محفوظ ہو تو وہ صحیح لذاتہ ہوگی''۔ (نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر' صفحہ ۵۴)

[3] جیسا کہ امام نووی فرماتے ہیں کہ پھر حدیث حسن حجت ہونے کے اعتبار سے صحیح کی مانند ہے' گو اس سے کم درجہ قوی ہے' اسی لیے کچھ لوگوں نے اسے صحیح کی قسم میں شامل کیا ہے۔

(الارشاد الطلاب' صفحہ ۶۸)

نیز امام ابن الصلاح فرماتے ہیں:

''محدثین میں کچھ ایسے لوگ ہیں جو حسن کو الگ قسم تصور نہیں کرتے بلکہ اسے صحیح کی اقسام میں شامل سمجھتے ہیں' اسی لیے یہ ان اقسام میں شمار ہوتی ہے جن سے حجت پکڑی جا سکتی ہے ار یہ بات ابوعبداللہ حاکم کے کلام سے ظاہر ہے جو ان کے تصرفات پر مشتمل ہے' ان کا ترمذی کی کتاب کو الجامع الصحیح کا نام دینا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ابوبکر خطیب نے بھی ترمذی اور نسائی پر صحیح کا اطلاق کیا ہے اور حافظ ابوالطاہر السلفی نے پانچ کتابوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا: ان کی صحت پر مشرق و مغرب کے علماء کا اتفاق ہے''۔ (مقدمہ ابن الصلاح' صفحہ ۱۱۴)

[4] جیسا کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمائی: ←

کے سوا اور جگہ میں بھی اس سے اُن کے مفردات مراد ہیں نہ مجموع اس لیے کہ وہ تعددِ طرق کے سبب سے حسن میں داخل ہے نہ ضعیف میں اس کے ائمہ نے تصریح کی ہے۔[1]

اور بعض نے کہا ہے کہ اگر باوجود صدق و دیانت کے بعض رواۃ کے سوئے حفظ یا اختلاط یا تدلیس کی وجہ سے حدیث میں ضعیف ہو تو تعددِ طرق سے اُس کا جبر ہو جاتا ہے۔ اور اگر ضعفِ حدیث اِتہام کذب راوی یا شذوذ اور فحش خطا کی وجہ

''فان الحدیث الضعیف معتبر فی فضائل الاعمال عند جمیع العلماء من ارباب الکمال''۔

''ارباب کمال تمام علماء کے نزدیک فضائل اعمال میں ضعیف حدیث قابلِ عمل ہے''۔

(الاجوبۃ الفاضلۃ للاسئلۃ العشرہ الکاملۃ' صفحہ ۳۷)

[1] حدیث حسن لغیرہ دراصل حدیث ضعیف ہے جب وہ حدیث متعدد سندوں سے مروی ہو۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

''حدیث حسن لغیرہ وہ حدیث ہے جس کا حسن تقویت کی وجہ سے ہو' مثلاً مستور الحال کی حدیث جب اس کی متعدد اسانید ہوں''۔ (نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر' صفحہ ۳۴)

اس مقام پر بہترین توجیح جو کہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی' یہ ہے:

''حافظ ابن الصلاح نے فرمایا کہ کسی حدیث کی متعدد سندوں سے اس کا حسن لغیرہ ہونا لازم نہیں آتا' جیسے حدیث: ''الاذنان من الرأس '' ہے' کیونکہ ضعف مختلف قسم کا ہوتا ہے۔ بعض ضعیف متابعات سے بھی دور نہیں ہوتے' یعنی کسی کا متابِع ہونا یا کسی کا متابَع ہونا موثر نہیں' جیسے جھوٹوں اور متروک راویان کی احادیث ہیں' کچھ ضعف متابعت سے زائل ہو جاتا ہے جیسے وہ حدیث جس کے راوی کا حافظہ خراب (سوءِ حفظ) ہو' یا وہ حدیث کو مرسل بیان کرے' تب متابعات فائدہ مند ہوں گے اور ایسی حدیث ضعیف کی پستی سے نکل کر حسن (لغیرہ) یا صحیح (لغیرہ) کی بلندی تک پہنچ جائے گی''۔ (اختصار علوم الحدیث' صفحہ ۴۰)

سے ہو تو تعددِ طرق کی وجہ سے بھی اُس کا جبر نہیں ہوتا۔ اور حدیث محکوم بہ ضعف اور فضائل اعمال میں معمولی ہوتی ہے۔ اور بعض کا یہ قول کہ ضعیف کا لحوق ضعیف کے ساتھ مفید قوت نہیں ہوتا' شاید کہ اسی صورت پر محمول ہو' ورنہ یہ قول ظاہر الفساد ہے۔[1]

❖❖❖❖❖❖

چوں کہ مراتب صحیح کے متفاوت ہیں اور بعض صحاح بعض سے اصح ہیں' پس جاننا چاہیے کہ جمہور محدثین کے نزدیک مقرر ہے کہ صحیح بخاری تمام کتب مصنفہ پر مقدم ہے یہاں تک کہ کہا کہ ''اَصَحُّ الْکُتُبِ بَعْدَ کِتَابِ اللّٰہِ صَحِیْحُ الْبُخَارِیّ'' اور بعض مغاربہ نے صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر ترجیح دی ہے۔ اور جمہور کہتے ہیں کہ یہ ترجیح احادیث کے حسن سیاق اور جودت وضع اور ترتیب کے اعتبار سے ہے اور حدیث میں وضع اور ترتیب اور رعایت دقائق اشارات اور محاسن نکات ذکر اسانید میں صحیح مسلم کی مثل کوئی کتاب نہیں ہے اور یہ مبحث سے خارج ہے' کلام صحت اور قوت میں ہے اور ان کے متعلقات میں اور اس میں کوئی کتاب

---

[1] نیز امام علائی (المتوفی ۷۶۱ھ) فرماتے ہیں:

''ایک حدیث کا دوسری حدیث سے ملنے سے ظنِ غالب ہوتا ہے کہ اس کی اصل ہے' اگر چہ وہ دونوں انفرادی طور پر فائدہ نہیں دے سکتیں' یہ ایسے ہی ہے جیسے کہا جائے: ضعیف حدیث' جس کا ضعیف راوی کے حافظہ کی کمزوری اور کثرتِ غلط کی وجہ سے ہو' جھوٹ کے الزام کی وجہ سے نہ ہو' جب اس جیسی حدیث دوسری سند سے مروی ہو جس کے رواۃ اس سند (کے راویان) جیسے ہوں تو وہ اپنے مجموعے سے درجہ حسن (لغیرہ) تک پہنچ جائے گی' کیونکہ اس وقت وہ خدشہ زائل ہو چکا ہے جو رواۃ کے سوءِ حفظ کے پیشِ نظر تھا اور ہر ایک دوسرے کو تقویت دیتا ہے''۔

(جامع التحصیل للعلائی' صفحہ ۳۸)

بخاری کے مساوی نہیں ہے۔ اس لیے کہ جو صفتیں صحت میں معتبر ہیں اُس کے رجال میں بروجہ کمال پائی جاتی ہیں اور بعضے ایک کو دوسری پر ترجیح دینے میں توقف کرتے ہیں اور جمہور کے نزدیک صحیح بخاری کی ترجیح صحیح مسلم پر مشہور ہے۔[1]

## مُتَّفَقٌ عَلَيْه

وہ حدیث ہے جس کی تخریج پر بخاری اور مسلم جمع ہوں اور اسی کو ''اَخْرَجَهُ الشَّيْخَانِ'' بھی کہتے ہیں اور کہا ہے کہ تمام احادیث متفق علیہ دو ہزار تین سو چھبیس ہیں۔

اور بالجملہ مذہب جمہور محدثین کا یہ ہے کہ سب سے بلند مرتبہ حدیث صحیح متفق علیہ

---

[1] حافظ ابن الصلاح فرماتے ہیں:

''امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی (۲۵۶ ہجری) نے سب سے پہلے احادیث صحیحہ کا مجموعہ تصنیف کیا اور ان کے بعد امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری متوفی (۲۶۱ ہجری) نے احادیثِ صحیحہ کا مجموعہ پیش کیا' صحیح بخاری اور صحیح مسلم' کتاب اللہ کے بعد کتابوں میں سب سے زیادہ صحیح ہیں اور ان دونوں میں صحیح بخاری زیادہ صحیح ہے' حافظ نیشاپوری اور بعض مغاربہ (علماءِ اندلس) نے صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر ترجیح دی ہے' اس کا محمل یہ ہے کہ صحیح مسلم میں صرف احادیثِ صحیحہ ہیں۔ جب کہ صحیح بخاری کے تراجم میں بعض غیر صحیح احادیث بھی موجود ہیں لیکن صحت اور قوت کے لحاظ سے صحیح بخاری کی احادیث صحیح مسلم پر راجح ہیں''۔

(مقدمہ ابن الصلاح' صفحہ ۱۴)

نیز علامہ سخاوی فرماتے ہیں:

''بعض اہل مغرب نے صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر ترجیح دی ہے۔ حافظ ابوعلیٰ حسن بن علی نیشاپوری نے کہا ہے کہ آسمان کے نیچے امام مسلم کی کتاب سے زیادہ کوئی کتاب صحیح نہیں ہے۔ علامہ نووی نے کہا ہے کہ امام بخاری کی کتاب کے فوائد زیادہ ہیں اور اس کے معارف دقیق ہیں''۔

(فتح المغیث بشرح الفیہ الحدیث' جلد ۱ صفحہ ۲۹)

کا ہے۔ پھر اُس کا جس کو تنہا بخاری لائے۔ پھر اُس کا جس کو تنہا مسلم لائے۔ پھر اُس کا جو بخاری اور مسلم کی شرطوں پر ہو۔ پھر اُس کا جو بخاری کی شرط پر ہو۔ پھر اُس کا جو مسلم کی شرط پر ہو۔ پھر بخاری و مسلم کے سوا اور ائمہ کی حدیث جنہوں نے التزام صحت کا کر کے تصحیح کی ہے۔ تمام اقسام اس ترتیب پر سات ہیں۔

اور شرطِ بخاری اور شرطِ مسلم سے یہ مراد ہے کہ رجالِ حدیث کے اُن صفات کے ساتھ متصف ہوں کہ جن کی رعایت بخاری اور مسلم نے کی ہے، مثل ضبط اور عدالت اور عدم شذوذ اور نکارت اور علت کے۔[۱]

## احادیث صحیحہ

بخاری اور مسلم میں منحصر نہیں ہیں نہ اُنہوں نے تمام صحاح کا احاطہ کر لیا ہے بلکہ بعض صحاح بھی جو نا کے نزدیک اُن کی شرطوں پر تھے، نہیں لائے ہیں۔

بخاری نے کہا کہ میں اس کتاب میں وہی لایا ہوں جو صحیح ہے اور میں نے بہت سے صحاح کو چھوڑ دیا ہے۔

مسلم نے کہا کہ میں جو حدیثیں اس کتاب میں لایا ہوں صحیح ہیں اور یہ نہیں کہتا ہوں کہ جن کو میں نے ترک کیا ہے، ضعیف ہیں۔[۲]

---

۱ جیسا کہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے تصریح فرمائی ہے۔ (مقدمہ مشکوٰۃ، صفحہ ۴۲)

۲ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں:

"صحیحین کی تخریج میں بہ کثرت کتابیں ہیں، جن میں جید اسانید کے ساتھ احادیث کا اضافہ کیا گیا ہے، مثلاً صحیح ابوعوانہ، صحیح ابوبکر اسماعیل برقانی اور ابونعیم اصبہانی کی اور دوسری کتابیں ہیں جن میں صحت کا التزام کیا گیا ہے مثلاً صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، اسی طرح مسند احمد میں بہ کثرت ایسی احادیث ہیں جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے ہم پلہ ہیں اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں نہیں ہیں۔ اور نہ ہی ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ میں ہیں۔ اسی طرح طبرانی کی ←

اور ضرور اس ترک کو اِتیان میں کوئی وجہ تخصیص کی ہو گی یا صحت کی حیثیت سے یا دوسرے مقاصد کی وجہ سے۔ اور حاکم ابوعبداللہ نیشاپوری[1] نے ایک کتاب تصنیف کی ہے جس کا نام ''مستدرک'' ہے[2] یعنی جو احادیث صحاح بخاری اور مسلم

---

معجم کبیر، معجم اوسط اور معجم صغیر میں اور مسند ابویعلیٰ اور مسند بزار میں اور دیگر مسانید، معاجم، فوائد اور اجزاء میں بکثرت ایسی حدیثیں ہیں جن کے رجال کی تحقیق کے بعد ان پر صحت کا حکم لگایا جاتا ہے، خواہ اس سے پہلے کسی حافظ نے ان کی صحت کی تصریح نہ کی ہو، جیسا کہ علامہ نووی کی تحقیق ہے اور حافظ ابن الصلاح کا اس میں اختلاف ہے''۔ (اختصار علوم الحدیث، صفحہ ۲۱ تا ۲۳)

حافظ ابن الصلاح نے بھی یوں ہی تصریح فرمائی ہے:

''صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے علاوہ دیگر ائمہ حدیث کی مصنفات میں بھی احادیثِ صحیح ہیں، مثلاً ابوداؤد سجستانی، امام ابوعیسیٰ ترمذی، امام ابوعبدالرحمٰن نسائی، امام ابوبکر خزیمہ، امام ابوالحسن دارقطنی وغیرہ ہم اور کسی حدیث کی صحت کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ وہ امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی یا دوسرے کسی امام کی ایسی کتاب میں موجود ہو جس میں صحیح اور غیر صحیح ہر قسم کی حدیثیں درج ہوں، ہاں حدیث کے صحیح ہونے کے لیے کافی ہے کہ وہ حدیث ایسی کتاب میں موجود ہو جس میں حدیث کو درج کرنے کے لیے صحت کی شرط لگائی گئی ہے جیسے صحیح ابن خزیمہ اور جن کتابوں میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی تخریج کی گئی ہے، جیسے ابوعوانہ اسفرائنی، ابوبکر اسماعیلی اور ابوبکر برقانی کی کتابیں اور جیسے ابوعبداللہ حمیدی کی کتاب ''الجمع بین الصحیحین'' ہے''۔

(مقدمہ ابن الصلاح، صفحہ ۱۷)

[1] آپ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن محمد بن حمدویہ بن نعیم الضبی طہمانی نیشاپوری ہیں، آپ کی ولادت دوشنبہ ۳ ربیع الاوّل ۳۲۱ ہجری میں نیشاپور میں پیدا ہوئے۔

(تبیین کذب المفتری لابن عساکر، صفحہ ۲۲۰) (تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ صفحہ ۲۲۷)

آپ کا وصال اپنے وطن نیشاپور میں ۳ صفر ۴۰۵ ہجری کو ہوا۔ (بستان المحدثین، صفحہ ۷۲)

[2] مستدرک محدثین کی اصطلاح میں حدیث کی وہ کتابیں مستدرک کہلاتی ہیں جن میں ←

نے ترک کی تھیں، اُنہیں اس کتاب میں لایا ہے اور اُن کی تلافی اور استدراک کیا ہے، بعض احادیث شرطِ شیخین پر، بعض ان میں سے ایک کی شرط پر، بعض اُن کی شرطوں کے سوا لایا ہے اور کہا ہے کہ بخاری اور مسلم نے یہ حکم نہیں کیا ہے کہ جو کچھ ہم نے ان دونوں کتابوں میں تخریج کیا ہے اُس کے سوا اور احادیث صحیحہ ہی نہیں ہیں۔[1]

اور کہا حاکم نے کہ اس زمانے میں ایک فرقہ مبتدعہ کا پیدا ہو گیا ہے جنہوں نے ائمہ دین پر زبان طعن دراز کی ہے کہ تمام وہ حدیثیں جو تمہارے نزدیک صحیح ہوئی ہیں، دس ہزار تک بھی نہیں پہنچتیں۔[2]

بخاری سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا کہ مجھے صحاح میں سے ایک لاکھ اور

---

ان احادیث کو نقل کیا جاتا ہے جو حدیث کی کسی اور کتاب کی شرط کے مطابق ہونے کے باوجود اس میں درج ہونے سے رہ گئی ہوں۔ (مقدمہ تحفۃ الاحوذی، صفحہ ۳۷)

ا اس مقام پر حافظ ابن الصلاح کا نظریہ اقرب الی الحقیقت ہے، آپ فرماتے ہیں:

''جو احادیث امام بخاری اور امام مسلم سے رہ گئی ہیں ان پر استدراک کرنے کیلئے امام ابو عبداللہ حاکم نیشاپوری نے مستدرک لکھی جو ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے، امام حاکم نے امام بخاری اور امام مسلم کے رجال سے روایات کیں یا ان میں سے کسی ایک کی شرط پر حدیثیں روایت کیں اور جو احادیث ان کے اجتہاد کے مطابق صحیح تھیں خواہ وہ ان میں سے کسی ایک کے شرط کے مطابق نہ ہوں، حدیث کو صحیح قرار دینے میں وہ وسیع المشرب تھے اور صحت کا فیصلہ کرنے میں متساہل تھے، اس لیے اولیٰ یہی ہے کہ ہم متوسط قول اختیار کریں اور وہ یہ ہے کہ جس حدیث کو امام حاکم صحیح کہیں اور کسی اور امام نے اس حدیث کو صحیح نہ کیا ہو تو اگر وہ صحیح نہیں ہے تو حسن ہے، اس سے استدلال کیا جائے گا اور اس پر عمل کیا جائے گا، بہ شرطیکہ اس میں کوئی علت نہ ہو جو اس کے ضعف کا موجب ہو''۔ (مقدمہ ابن الصلاح، صفحہ ۱۸)

۲ ملاحظہ ہو: (المستدرک جلد ۱ صفحہ ۲)

غیر صحاح میں سے دو لاکھ حدیثیں یاد ہیں اور ظاہر صحیح سے بخاری کی وہ مراد ہیں جو اس کی شرط پر ہوں اور مبلغ اُس کا جو اس کتاب میں لایا ہے مع تکرار کے سات ہزار دو سو پچھتر حدیثیں ہیں اور بعد حذف تکرار کے چار ہزار۔[1]

اور دوسرے ائمہ نے بھی صحاح میں تصنیف کی ہے مثل صحیح ابن خزیمہ[2] کے کہ جس کو امام الائمہ کہتے ہیں اور وہ شیخ ابن حبان کا ہے۔ ابن حبان نے اُس کی مدح میں کہا کہ میں نے روئے زمین پر صناعت سنن کا خوب جاننے والا اور الفاظِ صحیحہ کا یاد رکھنے والا زیادہ ابن خزیمہ سے نہیں دیکھا' سنن اور احادیث سب اُس کی آنکھوں کے سامنے تھیں۔[3] اور مثل صحیح ابن حبان[4]

---

1. جیسا کہ امام ابن الصلاح نے امام بخاری کے حوالے سے یہ تصریح فرمائی ہے۔

(مقدمہ ابن الصلاح' صفحہ ۱۳۔۱۴)

2. صحیح ابن خزیمہ' محمد بن اسحاق خزیمہ بن مغیرہ بن صالح بن بکر کی تصنیف ہے' آپ کی وصادت صفر ۲۲۳ ہجری میں خراسان کے مشہور شہر نیشاپور میں ہوئی' آپ کا وصال ۳ ذی قعدہ ۳۱۱ ہجری کو ہوا۔ (المنتظم لابن جوزی' جلد ۶ صفحہ ۱۸۴) (تذکرۃ الحفاظ' جلد ۲ صفحہ ۲۹۵)

صحیح ابن خزیمہ کا شمار انتہائی اہم کتب میں ہوتا ہے۔ حافظ ابن کثیر اس کتاب کے متعلق فرماتے ہیں:

"من انفع الکتب و اجلھا"۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۱۱ صفحہ ۱۴۹) (تدریب الراوی صفحہ ۴۳۱)

یعنی "صحیح ابن خزیمہ نہایت مفید اور اہم کتب سے ہے"۔

3. (تذکرۃ الحفاظ للذہبی' جلد ۲ صفحہ ۲۸۹) (طبقات الشافعیہ للسبکی' جلد ۲ صفحہ ۱۳۱۔۱۳۲)

4. آپ محمد بن احمد بن حبان بن احمد بن حبان بن معاذ بن معبد تمیمی دارمی بستی ہیں' آپ قبیلہ تمیم کی شاخ دارم سے نسبی تعلق رکھتے تھے' ولادت ۲۷۵ ہجری میں خراسان کے مشہور شہر بست میں ہوئی' آپ کا انتقال بروز جمعہ ۲۴ شوال ۳۴۵ ہجری کی شب اپنے وطن بست میں ہوا۔

(طبقات الشافعیہ الکبریٰ' جلد ۲ صفحہ ۱۴۱) (لسان المیزان لابن حجر' جلد ۵ صفحہ ۱۱۴) ←

کے جو خزیمہ کا شاگرد ثقہ ثبت فاضل فہام تھا۔ اور حاکم نے اس کی شان میں کہا ہے کہ وہ علم کا ظرف تھا' فقہ اور لغت اور حدیث اور وعظ میں اور علائق رجال سے تھا۔[1] اور مثل صحیح حاکم ابوعبداللہ نیشاپوری حافظہ ثقہ کے جس کا نام ''مستدرک'' ہے بعضوں نے کہا ہے کہ اس کتاب میں اس سے کچھ تساہل بھی ہو گیا ہے اور کہا ہے کہ ابن خزیمہ اور ابن حبان حاکم سے امکن اور اقوئی ہیں اور متون اور اسانید میں بہتر اور الطف ہیں[2] اور مثل مختارۃ حافظ ضیاء الدین مقدسی کے وہ بھی ایسی صحاح لائے ہیں کہ جو صحیحین میں نہیں ہیں اور کہا ہے کہ اُس کی کتاب ''مستدرک'' سے اچھی ہے[3]

---

صحیح ابن حبان کا نام ''التقاسیم والانواع'' ہے اس کی ترتیب نہ تو ابواب کے طریق پر تھی اور نہ مسانید کے طریق پر تھی' بعد میں ایک عالم امیر علاء الدین ابوالحسین علی بلبان الفارسی الحنفی (۷۳۹ھ) نے ''الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان'' کے نام سے بڑے اچھے انداز سے اس کی ترتیب نو قائم کی۔ (المستطرف للکتانی' صفحہ ۷۵)

۱ امام سبکی فرماتے ہیں:

''ابن حبان فقہ کے عالم و عارف اور فقہائے دین میں ہیں' سمرقند والوں میں فقہی ذوق پیدا کرنا ان ہی کا کارنامہ ہے۔ امام حاکم فرماتے ہیں کہ وہ علم فقہ کا خزانہ ہیں''۔

(طبقات الشافعیہ' جلد۲ صفحہ۱۴۷) (تذکرۃ الحفاظ' جلد۳ صفحہ۱۳۴)

۲ امام زیلعی فرماتے ہیں:

''یہاں تک کہا گیا ہے کہ حاکم کی تصحیح کا درجہ امام ترمذی اور دارقطنی کی تصحیح سے کم تر ہے بلکہ ان کی تصحیح کی حیثیت امام ترمذی کی تحسین کی طرح ہے اور امام ابن خزیمہ اور ابن حبان کی تصحیح بلا اختلاف حاکم کی تصحیح سے راجح ہے''۔ (نصب الرایہ' جلد۱ صفحہ۳۵۴)

۳ آپ محمد بن عبدالواحد بن عبدالرحمٰن بن اسماعیل بن منصور ہیں' ۵ جمادی الاخریٰ ۵۶۹ ہجری و بیت المقدس میں پیدا ہوئے' اس لیے مقدسی کہلائے' ۷۴ سال کی عمر میں دوشنبہ ۱۸ جمادی الاخریٰ میں ←

اور مثل صحیح ابن عوانہ [1] اور ابن السکین [2] اور منتقی ابن

۶۴۳ ہجری کو انتقال ہوا۔ (تذکرۃ الحفاظ' جلد۴ صفحہ ۱۹۸) (شذرات الذہب جلد۵ صفحہ ۲۲۶)

حافظ ضیاء الدین مقدسی نے وہ تمام صحیح احادیث جو صحیحین میں نہیں تھیں' ان کو اکٹھا کیا اور انتخاب کیا جس کا نام "مختارۃ" المقدسی مشہور ہے۔ اس کو اُنہوں نے (ابواب کی بجائے) حروفِ تہجی کے اعتبار سے مسند کی طرز پر اکٹھا کیا ہے' اس کے کل اجزاء ۸۶ ہیں لیکن پوری نہیں ہوئی۔

اس میں مصنف نے صحت کا پوری طرح التزام کیا ہے اور وہ احادیث بھی ذکر کی ہیں جن کی تصحیح کے حوالے سے پہلے کوئی تفصیل نہیں ملتی' اور مقدسی کی تصحیح کو سوائے چند ایک روایات کے معتبر و معتمد مانا گیا ہے۔

ابن تیمیہ اور زرکشی کا تو یہ کہنا ہے کہ تصحیح حیث میں مقدسی کا پایہ حکم سے اوپر ہے اور ان کی تصحیح ابن حبان اور ترمذی کے قریب قریب ہے۔ ابن عبدالہادی "الصارم المنکی" میں فرماتے ہیں: مختارہ میں فنی غلطیاں کم ہیں اور یہ مستدرک حاکم کی طرح نہیں کیونکہ اس میں تو بہت سی وہ احادیث بھی ہیں جن کے بارے میں صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ موضوع اور من گھڑت ہیں' اسی وجہ سے مستدرک حاکم کا پایہ دیگر کتب سے نیچے ہے۔ (المستطرفہ للکتانی' صفحہ ۸۰)

[1] صحیح ابن عوانہ امام یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم بن یزید' جن کی کنیت ابوعوانہ ہے' کی تصنیف ہے' آپ کا وصال اپنے آبائی وطن افرائین میں ۳۱۶ ہجری میں ہوا' عمر بن صغار اسفرائینی فرماتے ہیں کہ آپ کی قبر اقدس مخلوقِ خدا کیلئے باعثِ نزولِ برکت ہے۔ (وفیات الاعیان' جلد۳ صفحہ ۳۹۵۔۳۹۶)

صحیح ابوعوانہ' علمِ حدیث میں آپ کی مشہور کتاب ہے جو صحیح مسلم پر مستخرج ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں: یہ صحیح مسلم پر مستخرج ہے۔ اصطلاحِ محدثین میں مستخرج اس کو کہتے ہیں جو کسی دوسری کتاب کی حدیثوں سے ثابت کیا جائے اور ترتیب اور متوازن اور طرق اسناد میں اس کتاب کے طریق کو ملحوظ رکھے اور اپنی سند کو اسی طریق سے بیان کرے کہ اس کتاب کا مصنف کے شیخ یا شیخ الشیخ یا اور اوپر تک بیان کر دے اور جب اس طرز پر دوسرے طریق سے بھی یہ روایت ثابت ہوگی تو اس کتاب کے مصنف کی روایت پر زیادہ وثوق اور اعتبار ہو جاتا ہے لیکن اس مستخرج کو صحیح اس سبب سے کہتے ہیں کہ مسلم کے طرق و اسانید کے علاوہ مزید طرق و اسانید کا بھی اس میں اضافہ کر دیا ہے بلکہ قدرے قلیل متون میں بھی زیادتی کی ہے' پس گویا یہ ایک مستقل کتاب ہوگئی۔ (بستان المحدثین' صفحہ ۶۱)

[2] آپ سعید بن عثمان بن سعید السکن ہے' ۲۹۴ ہجری میں پیدا ہوئے' اصل وطن بغداد ہے' ←

جارود[1] کے اور یہ کل کتابیں صحاح کے ساتھ مخصوص ہیں لیکن ایک جماعت نے ان پر تعصباً یا انصافاً انتقاد کیا ہے۔ ''وَفَوْقَ کُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ''۔[2] واللہ اعلم!

---

بعد میں مصر میں سکونت اختیار فرمائی' ۵۹ سال کی عمر میں محرم ۳۵۳ ہجری میں وصال پایا۔

(حسن المحاضرۃ' جلد ا صفحہ ۱۴۷) (العبر للذہبی' جلد ۲ صفحہ ۲۹۷)

آپ نے ''الصحیح المنتقی'' تالیف فرمائی' یہ احکامی احادیث وسنن کا مجموعہ ہے' گو ان کی اسناد حذف کر دی ہیں' تاہم صحت کو پوری طرح ملحوظ رکھا ہے' اسی لیے اس کا نام منتقی رکھا ہے اور اپنے خیال میں صرف صحیح روایات ہی اس میں شامل کی ہیں اور ضروری مسائل و احکام کے ابواب قائم کر کے ان کے تحت احادیث درج کی ہیں' اس کتاب کی احادیث کی تین نوعیتیں ہیں' جن احادیث کو مجملاً بیان کیا ہے' یعنی ان کی صحت وسقم کی کوئی تشریح نہیں کی وہ بالاتفاق صحیح ہیں اور دوسرے نمبر پر ایسی احادیث ہیں جو کسی نہ کسی امام کی مختار و معمول بہا ہیں لیکن بعض احادیث ایسی بھی ہیں جن کے ناقلین ان کی روایت میں منفرد مگر اس میں علت اور راوی کا منفرد ہونا بیان کر دیا ہے۔ (الرسالۃ المستطرفۃ' صفحہ ۲۴)

1. آپ عبداللہ بن علی بن جارود ہیں' نیشاپور کے رہنے والے تھے' مکہ میں مجاورت اختیار فرمائی' آپ کا وصال ۳۰۷ ہجری میں ہوا۔ (تذکرۃ الحفاظ' جلد ۳ صفحہ ۱۶)

ابن جارود کی کتاب ''المنتقی'' احکام وسنن سے متعلق روایات و احادیث کا منتخب و مختار مجموعہ ہے' یہ تقریباً آٹھ سو احادیث پر مشتمل ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں:

''یہ کتاب گویا صحیح ابن خزیمہ پر مستخرج ہے لیکن اس میں صرف اس کے اصولِ احادیث پر اکتفاء کیا گیا ہے' اسی لیے اس کا نام منتقی ہے''۔ (بستان المحدثین' صفحہ ۸۵)

علامہ ابن حزم فرماتے ہیں:

''صحیحین کے بعد ابن سکن' ابن جارود اور ابن اصبغ کی کتب کا درجہ ہے' اس کے بعد ابوداؤد اور نسائی کی کتب کا نمبر آتا ہے''۔ (تدریب الراوی صفحہ ۳۲)

2. سورۃ یوسف' آیت: ۷۶

## کتب ستّہ

جو اسلام میں مشہور اور مقرر ہیں اور جن کو ''الصِّحَاحُ السِّتُّ '' کہا جاتا ہے اُن سے صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابی داوٗد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ مراد ہیں اور بعضوں کے نزدیک بہ جائے ابن ماجہ کے موٗطا ہے اور صاحب جامع الاصول نے موٗطا کو اختیار کیا ہے[1] اور ان کتابوں میں صحاح، حسان، ضعاف سب قسم کی حدیثیں موجود ہیں اور ان کا نام صحاح بہ طریق تغلیب کے رکھا گیا ہے۔ اور اسی وجہ سے صاحب مصابیح نے احادیث غیر شیخین کا نام حسان رکھا ہے اور فی الحقیقت یہ اُس کی نئی اصطلاح ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ دارمی کی کتاب کو سادس کر لینا مناسب اور سزاوار ہے اس لیے کہ اُس کے رجال ضعف میں کم ہیں اور احادیث منکرہ اور شاذہ کا وجود اس میں نادر ہے اور اُس کی اسنادیں عالیہ ہیں اور اس کے ثلاثیات بخاری کے ثلاثیات سے زیادہ ہیں۔[2]

---

1. حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:
''بعض اہلِ علم مثلاً رزین سرقسطی اور مجد ابن الاثیر نے چھٹی کتاب موٗطا امام مالک ہی کو قرار دیا ہے جیسا کہ جامع الاصول میں ہے۔ ابن عساکر نے بیان کیا ہے کہ جس شخص نے سب سے پہلے سنن ابن ماجہ کو کتب اصول میں شامل کیا وہ ابوالفضل ابن طاہر صاحب شروط الائمہ الستۃ (م ۵۰۷ھ) ہیں، پھر حافظ عبدالغنی صاحب الکمال فی اسماء الرجال نے اس پر عمل کیا''۔
(النکت علی کتاب ابن الصلاح، صفحہ ۴۸۲)

2. حافظ صلاح الدین خلیل بن کلیکلدی علائی (م ۷۶۱ھ) فرماتے ہیں:
''سنن ابن ماجہ کی بجائے مناسب یہ ہے کہ دارمی کی کتاب پانچ کتابوں کے ساتھ مل کر چھٹی کتاب ہو کیونکہ اس میں ضعیف راوی کم اور منکر و شاذ احادیث نادر ہیں، اگرچہ اس میں احادیثِ مرسلہ و موقوفہ موجود ہیں، تاہم سنن ابن ماجہ سے بہتر ہے''۔ (فتح المغیث، جلد ۱ صفحہ ۳۳)

اور یہ کتب مذکورہ اشہر کتب ہیں اور سوائے ان کے اور بہت سی مشہور کتابیں ہیں اور سیوطی ''جمع الجوامع''[1] میں بہت سی کتابوں سے حدیثیں لایا ہے کہ وہ کتابیں پچاس سے بھی متجاوز ہیں اور صحاح اور حسان' ضعاف پر شامل اور کہا سیوطی نے کہ میں اس کتاب میں کوئی ایسی حدیث نہیں لایا ہوں جو موسوم بہ وضع ہو اور بہ اتفاق محدثین متروک ہو۔ واللہ اعلم!

قَدْ تَـمَّـتِ الرِّسَالَةُ بِتَوْفِيْقِهٖ تَعَالٰى يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ بَعْدَ مَا خَلَتْ اِحْدٰى وَعِشْـرُوْنَ مِنْ ذِى الْحِجَّةِ اَلْف وَثَلٰث مِائَةٍ وَّاِثْنَيْنِ وَعِشْرِيْنَ (۱۳۲۲ھ) مِنَ الْهِجْرَةِ النَّبَوِيَّةِ عَلٰى صَاحِبِهَا اَلْفُ اَلْفِ صَلٰوةٍ وَّسَلَامٍ وَّتَحِيَّةٍ ۔

تمام شد

❖❖❖❖❖

---

[1] شیخ عبدالحی الکتانی فرماتے ہیں:

''جمع الجوامع' عظیم الشان کتاب ہے' ملتِ اسلامیہ میں اس کی تالیف کی مثال نہیں' آپ نے اس میں احادیث کی تخریج کر کے ان کے اصل ماخذ' اسانید اور راویوں سے روشناس کروایا ہے' حق یہ ہے کہ اُنہوں نے اپنے بعد میں آنے والے مسلمانوں پر احسانِ عظیم فرمایا' ان کی اس عدیم النظیر کاوش کا اعتراف خلوصِ ایمان کا تقاضا ہے''۔

(التراتیب الاداریہ' القسم العاشر' جلد ۲ صفحہ ۷۵)